حافظ ابو النفر عبد الرحمن ازہر
ماڈل ٹاؤن - لاہور

رفع یدین اور آمین

عبد اللہ امرتسری روپڑی

مکتبہ تنظیم اہلحدیث ، چوک دالگراں لاہور

آمین۔ رفع یدین

مُصنّفہ

حضرت العلامہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی

ناشر
مکتبہ تنظیم اہل حدیث چوک دالگراں لاہور

آمین۔ رفع یدین وغیرہ بہت مدت سے زیر بحث ہیں۔ ان کے متعلق فریقین کی طرف سے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن لوگ پھر بھی پوچھتے پاچھتے رہتے ہیں۔ اس لئے کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ رسالہ اگرچہ بظاہر دو مسئلوں میں ہے مگر ضمناً بہت سے مسائل اختلافیہ پر مشتمل ہے۔ جیسے بسم اللہ بالجہر، سینہ پر ہاتھ باندھنا، جلسۂ استراحت اور ان کے علاوہ اور بہت سے اصولی فروعی مسائل انشاء اللہ آپ کو اس میں ملیں گے جن سے آج تک آپ بے خبر رہے۔ حالانکہ ان کا جاننا آپ کیلئے ضروری تھا۔ اور زیر بحث دونوں مسئلوں (آمین۔ رفعیدین) کے طرز بیان میں ایک ایسی جدت پیدا کردی گئی ہے کہ وہ بھی آپ کے لئے ایک نئی چیز بن گئی ہے جس کے پڑھنے کے بعد امید نہیں کہ کوئی شبہ باقی رہ سکے۔ اور اس کے ضمن میں مذہب تقلید کی حقیقت بھی واضح ہوجائے گی۔ اور یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس سے آپ پر تحقیق کا ایک نیا باب کھلے گا جس سے آپ مذہب حدیث اور مذہب تقلید کا بخوبی موازنہ کرسکیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَعْمَالَنَا كُلَّهَا صَالِحَةً وَاجْعَلْهَا بِوَجْهِكَ خَالِصَةً وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِيهَا شَيْئًا۔

حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی

ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ — ۱ اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۹۷۳۶

الاستفتاء

متعلق!

آمین ــــــ رفع یدین

سوال ــــــ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ :-

رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھانے وقت رفع الیدین کرنا۔ اور فرض نماز جہری میں آمین کہنا کسی صحیح مرفوع حدیث میں ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

سائل
محمد شفیع از خان پور
ریاست بہاول پور ضلع رحیم یار خان
صدر بازار دوکان نمبر ۱۳

مورخہ
۵۵/۸/۱۳

الجواب

از مولوی ارشاد احمد صاحب تلمیذ مولانا عبداللہ صاحب ولنجواستی خانپور (ریاست بہاولپور)

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ علیٰ من لا نبی بعدہٗ :-

ان تمام سوالات کے جوابات علمائے احناف بالتفصیل دے چکے ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ جھگڑے صرف فضیلت و عدم فضیلت پر مبنی ہیں۔ ورنہ حدیثیں تو جانبین کی طرف سے موجود ہیں۔ مثلاً حنفیوں کے نزدیک فضیلت آمین کو اخفاء کرنے میں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے :-

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آمین کو اگر اخفاء کیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ آمین ایک دعا ہے اور اس کے (یعنی آمین) دعا ہونے کا ثبوت سورۃ یونس میں ہے

رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَأَهٗ زِينَةً وَّ أَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ الخ

"یا اللہ تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا میں زینت اور مال دیا ہے تیرے بندوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ تو ان کے مال مٹا دے یعنی پتھر بنا دے اور دل سخت کر دے پس ان کو ایمان نصیب نہ ہو۔ یہاں تک کہ دردناک عذاب چکھیں"

یہ دعا حضرت موسےؑ نے مانگی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا ۔ "یعنی تم دونوں کی دعا قبول کی"

اس دعا کے لیے حضرت ہارونؑ آمین کہتے تھے تو معلوم ہوا کہ آمین بھی دعا ہے اور آمین کو مخفی کرنے کے متعلق صادق المصدوق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تقریباً تیس حدیثیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک حدیث میں ہے :-

عن سمرۃ قال سکتتان یعنی سمرہؓ فرماتے ہیں کہ (نماز) میں

حفظتهما عن رسول اللہ	دو سکتے ہیں میں نے ان دونوں کو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم وقال	صلے اللہ علیہ وسلم سے حفظ کیا تھا سعیدؓ
فیہ قال سعیدؓ قلنا لقتادۃ	فرماتے ہیں کہ ہم نے قتادہؓ سے ان
ما ھاتان السکتتان قال اذا دخل	دونوں سکتوں کے متعلق دریافت کیا
فی صلوتہ واذا فرغ من القرأۃ	حضرت قتادہؓ نے جواب دیا کہ ایک
ثم قال بعد واذا قرأ غیر	سکتہ ہے تکبیر تحریمہ کے بعد اور ایک
المغضوب علیہم ولا الضالین	غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
قال الطیبی علی حاشیۃ ابی	الضَّآلِّيْنَ کے بعد اور یہ مطلب
داؤد الشریف والاظہران	حدیث کا طیبی نے بھی ابوداؤد کے
السکتۃ الاولیٰ للثناء والثانیۃ	حاشیہ پر بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
للتامین	

اور رفع الیدین کا مسئلہ تو یہ ہے کہ پہلے تھا۔ اور بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ:-

عن البراء بن عازبؓ ان	یعنی حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	کہ تحقیق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ	وسلم نماز شروع فرماتے تھے تو صرف
الی قریب من اذنیہ ثم	ایک دفعہ ہاتھ کانوں تک اٹھاتے
لا یعود۔	تھے پھر رفع الیدین کے لئے عود نہ
(رواہ ابوداؤد)	کرتے تھے (نہیں لوٹتے تھے)

اسی طرح ایک دوسری حدیث بھی ہے کہ

عن ابن مسعودؓ قال الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال فصلّٰی فلم یرفع یدیہ الامرۃً۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے رفع الیدین کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اور بعد میں منسوخ ہوگیا۔ جیسا کہ صحابہ کرام اور بعد میں تمام محققین کا مذہب رہا ہے۔ اب خواہ مخواہ ان مسئلوں کو چھیڑنا فقیر کے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔ اب متحد ہو کر مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ امید ہے کہ میرے اہل حدیث بھائی میری اس دعوت پر ضرور لبیک کہیں گے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

حررہٗ فقیر ارشاد احمد دیوبندی

خادم مجلس تحفظ ختم نبوت

پوسٹ آفس چاچڑاں ریاست بہاول پور

۵۷/۳/۴ - بروز خمیس

تنقید و تبصرہ

مسئلہ آمین!

(از عبداللہ امرتسری روپڑی)

خدا کی شان یہ لوگ اپنے مذہب کے دلائل دیتے ہوئے دیانتداری کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اور خدا سے ذرا نہیں ڈرتے۔ دیکھئے آمین کے آہستہ کہنے پر دلیل آیت وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ پیش کی ہے۔ یعنی "اپنے رب کا ذکر آہستہ کر" حالانکہ اس میں دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بھی ہے جس کے معنی درمیانی آواز کے ہیں۔ کیونکہ جہر کے معنے قرآن مجید میں زیادہ بلند آواز کے ہیں۔ جیسے سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:-

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھ۔

اور دُونَ کے معنیٰ کم کے ہیں۔ اور زیادہ بلند آواز سے کم، درمیانی آواز ہی ہے بلکہ خود اس آیت وَاذْكُرْ رَبَّكَ سے ثابت ہوتا ہے کہ دُونَ الْجَهْرِ کے معنے درمیانی آواز کے ہیں۔ کیونکہ دُونَ الْجَهْرِ کا لفظ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ کے مقابلہ میں ہے جس کے معنیٰ آہستہ کے ہیں۔ اور آہستہ کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ درمیانی آواز ہے۔ پس دُونَ الْجَهْرِ کے معنے درمیانی آواز کے ہوئے۔

پس اس آیت کے معنیٰ یہ ہوئے کہ "اپنے رب کا ذکر آہستہ آواز سے بھی کر۔ اور

درمیانی آواز سے بھی کرے"

پس مولوی ارشاد احمد کی دلیل کا مطلب یہ ہوا کہ "آہستہ نمازوں میں آہستہ آمین کہو اور بلند میں درمیانی آواز سے" اب یہ دلیل اہلحدیث کی ہوئی یا حنفیہ کی؟ مولوی ارشاد احمد نے کس قدر دھوکہ دیا ہے۔ خدا ان کو ہدایت کرے۔

اب ان کی دوسری دلیل کو دیکھئے۔ اس میں بھی سراسر دھوکہ ہے۔ یا ان کی کم علمی ہے۔ اور بظاہر کم علمی ہی ہے چنانچہ ان کے استدلال کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔ لکھتے ہیں:

"قال الطیبی علی حاشیہ ابی داؤد" یعنی طیبی نے حاشیہ ابی داؤد پر کہا ہے" حالانکہ طیبی کا حاشیہ مشکوٰۃ پر ہے نہ کہ ابوداؤد پر پھر استدلال بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہاں کئی احتمال ہیں لیکن تھوڑی سی تمہید کی ضرورت ہے۔

تمہید

نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد تھوڑی دیر امام سکوت کرتا ہے جس میں اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ یا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھتا ہے اس کو سکتہ اولی کہتے ہیں پھر اَلْحَمْدُ شریف پڑھ کر دوسری سورۃ شروع کرنے سے پہلے امام تھوڑا سا سکوت کرتا ہے۔ اس کو سکتہ ثانیہ کہتے ہیں۔

مولانا انورشاہ فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ میں لکھتے ہیں۔

والثانیۃ للتامین او لیتراد الیہ النفس	یعنی دوسرا سکتہ یا تو آمین کے لئے ہے۔ یا دم لینے کے لئے ہے

اور فصل الخطاب کے صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں:۔

وثانیہا للفصل	یعنی دوسرا سکتہ فاصلہ کے لئے ہے"

یعنی ذرا سکوت کر کے آمین کہے۔ تاکہ اصل دعا اور تابع دعا میں فرق ہو جائے یا معلوم ہو جائے کہ آمین فاتحہ سے نہیں ہے۔

اس کے بعد طیبی کی عبارت مذکورہ بحوالہ ص۵ سعایہ اور حجۃ اللہ البالغہ نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

لم اجد هذه العبارة في نسخة عتيقة من حواشي الطيبي والله اعلم ان تكون الثانية للتامين عند من يقول باخفائها وهو احتمال جيدٌ۔

یعنی طیبی کے پرانے نسخہ میں مجھے یہ عبارت نہیں ملی۔ واللہ اعلم۔ دوسرا سکتہ آمین کے لئے۔ اس کے نزدیک ہو جو اخفاء (آمین آہستہ کہنے) کا قائل ہو۔ اور یہ احتمال اچھا ہے۔

امام نووی کتاب الاذکار کے ص۴۳ میں لکھتے ہیں:۔

والثانية بعد فراغه من الفاتحة سكتة لطيفة جدًا بين آخر الفاتحة وبين آمين ليُعلم ان آمين ليست من الفاتحة

یعنی دوسرا سکتہ بہت تھوڑا سا فاتحہ اور آمین کے درمیان ہے تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ آمین فاتحہ سے نہیں ہے۔

اور طیبی کی عبارت میں لِلتَّامِین کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک لِاِخْفَاءِ التَّامِین (آمین آہستہ کہنے کے لئے) اور دوسرا لِفَصْلِ التَّامِین (آمین کو فاتحہ سے جدا کرنے کے لئے)۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا۔ کہ دوسرے سکتہ میں چار احتمال ہیں:۔

(۱) یہ کہ دوسرا سکتہ فاصلہ کے لئے ہو۔

(۲) یہ کہ معلوم ہو جائے کہ آمین فاتحہ سے نہیں۔

(۳) آمین آہستہ کہنے کے لئے ہے۔

(۴) یہ کہ دم (سانس لینے کیلئے ہے۔

اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ :-

إِذَا جَاءَ الاحْتِمَالُ بَطَلَ الِاسْتِدْلَالُ - یعنی "جب کسی چیز میں احتمال آجائے تو اس کو دلیل میں پیش کرنا باطل ہے"

اور یہاں تو چار احتمال ہیں۔ اس کو پیش کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ اس کے علاوہ طیبی اہلحدیث مذہب ہیں۔ تو ان کی عبارت کو آہستہ آمین کہنے پر عمل کرنا کیونکر درست ہوگا مولوی ارشاد احمد تو حد سے گذر گئے قرآن مجید کی آیت میں تحریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو بے موقعہ پیش کیا۔ علماء کی عبارتوں کا مطلب ان کی منشاء کے خلاف بیان کیا۔ اِنَّا لِلّٰہ ۔

یہ لٹیرے ہیں دین کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارث انبیاء اب

مولوی ارشاد احمد نے آمین آہستہ کہنے پر تقریباً تیس احادیث کا دعویٰ کیا ہے جن سے ایک پیش کی ہے۔

اول تو یہ دعوے صرف ڈراوا ہے حقیقت اس کی کچھ نہیں۔ لیکن بالفرض اگر مان بھی لیا جائے تو تیس سے سمرۃ کی حدیث کا انتخاب کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی ارشاد کی نظر میں سب سے بڑھیا دلیل یہی ہے۔ اور اس بڑھیا دلیل کا حال ناظرین نے دیکھ لیا کہ ایسی کمزور دلیل شاید ہی کوئی ہو۔ پس اس سے آپ باقی احادیث کا بھی اندازہ کریں۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا،

مسئلہ آمین کی مزید وضاحت

ہم چاہتے ہیں کہ تھوڑی سی اور تفصیل کر دیں تاکہ مسئلہ فداء اور واضح ہو جائے پس سلئے

اس میں شبہ نہیں کہ آمین دعا ہے۔ لیکن دعا دو طرح کی ہوتی ہے ایک مستقل اور ایک تابع۔ مستقل وہ ہے جو دوسری دعا کی محتاج نہ ہو۔ اور تابع جو محتاج ہو۔ آمین کسی دعا پر کہی جاتی ہے اور وہ یہاں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے۔ خود آمین کوئی چیز نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی کو صدارت کی کرسی پر بٹھانا ہو تو پہلے ایک شخص صدارت کے لئے اس کا نام پیش کرتا ہے جس کو محرک کہتے ہیں۔ اور دوسرا اس کی تائید کرتا ہے۔ اس کو مؤید کہتے ہیں۔ اس طرح سے کئی قسم کی تجاویز پاس ہوتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر محرک نہ ہو تو مؤید کس کا؟ ٹھیک اسی طرح اگر اصل دعا نہ ہو تو آمین کس پر؟

جب یہ معلوم ہو چکا کہ آمین تابع ہے۔ تو اب یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ آمین کے کتنے موقعے ہیں؟ دو موقعے ہیں:

ایک موقعہ یہ کہ اپنی دعا پر آمین کہے۔ یہ چیز اگرچہ مسلّمہ ہے۔ مگر ہم اس پر ایک حدیث بھی پیش کیے دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں ہے:۔

وعن ابی زھیر النمیری قال	ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک رات
خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر
علیہ وسلم ذات لیلۃ فاتینا	نکلے۔ ایک شخص پر آئے۔ وہ بہت عاجزی
علی رجل قد الح فی المسئلۃ	سے دعا کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اس

۱؎ یہ مثال صرف تابع ہونے میں ہے نہ سب باتوں میں۔ کیونکہ محرک اور مؤید لازماً دو ہوتے ہیں۔ اور اصل دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا کبھی ایک ہی ہوتا ہے۔ جیسے امام اہدنا الصراط المستقیم بھی پڑھتا ہے۔ اور آمین بھی کہتا ہے اور مثال عموماً ایسی ہی ہوتی ہے۔ مثلاً ہم کسی کو شیر کی مثال دیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ سب باتوں میں شیر کی طرح (جس کی دم وغیرہ بھی) ہے بلکہ مطلب صرف بہادری ہوتی ہے۔ پس ایسے ہی یہاں سمجھ لیں (فافہم) ۱۲

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم أوجب إن ختم فقال رجل من القوم بای شیٔ ختم قال بآمین (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ فصل ۲)

کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ اگر ختم کرے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس چیز کے ساتھ ختم کرے فرمایا آمین کے ساتھ۔

تنبیہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ منہ پر پھیر کر لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ دعا ختم کرنا یہ بدعت ہے۔ اور اس حدیث کے خلاف ہے۔ بلکہ خاتمہ آمین پر ہونا چاہیے۔ ہاں دعا قنوت (اللّٰھم اھدنی) کی حدیث سے درود شریف کے ساتھ ختم کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے آخر میں وَصَلَّی اللہُ عَلَی النَّبِیِّ ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ وَصَلَّی اللہُ عَلَی النَّبِیِّ کے بعد آمین کہہ لی جائے تاکہ ابی زہیر نمیری رض کی حدیث پر بھی عمل ہو جائے۔

خیر یہ مسئلہ تو ضمناً آ گیا۔ اصل مسئلہ یہ شروع ہے۔ کہ آمین کے دو موقعے ہیں۔ ایک موقعہ تو بیان ہو چکا۔ کہ اپنی دعا پر آمین کہے۔

دوسرا موقعہ یہ ہے۔ کہ دوسرے کی دعا پر آمین کہے۔ یہ بھی مسلّمہ چیز ہے۔ نیز خود مولوی ارشاد احمد نے اس کے لئے روایت پیش کر دی ہے۔ وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے۔ اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔

ایک حدیث ہم بھی پیش کئے دیتے ہیں۔

عن ابن عباس رض قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھرا متتابعا فی الظھر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من

(ترجمہ) ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر ایک ماہ پانچوں نمازوں میں بنی سلیم کے کئی قبائل رعل، ذکوان، عصیہ پر دعا قنوت پڑھی۔ اور مقتدی آمین

الرکعۃ الآخرۃ یدعو علیٰ احیاء   کہتے تھے۔
من بنی سُلیم علی رِعل وّ ذکوان و   (مشکوٰۃ باب القنوت)
عصیۃ و یؤمن من خلفہ۔   (فصل ۲)

یہ دونوں موقعے چونکہ امام اور مقتدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم ہر ایک کی الگ الگ تفصیل بیان کرتے ہیں:۔

امام اپنی دعا پر آمین کہنا ہے۔ اور وہ دعا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے مولوی ارشاد احمد کہتے ہیں کہ "امام آمین آہستہ کہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے: وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ یعنی اپنے رب کا ذکر آہستہ کر۔"

ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت آمین کو شامل ہو تو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کو بطریق اولیٰ شامل ہوگی۔ کیونکہ اصل دعا یہی ہے۔ آمین تو اس کے تابع ہے۔ پس لازم آیا کہ امام اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُستقیم آہستہ پڑھے۔ اگر کہا جائے کہ یہ آیت وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ اگرچہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے آہستہ پڑھنے کو چاہتی ہے۔ لیکن اور دلائل جہراً پڑھنے کے موجود ہیں۔ اس لئے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ امام جہراً پڑھتا ہے۔ تو اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ آمین بالجہر کہنے کے دلائل بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ایک دلیل تو قنوت والی حدیث ہے۔ جو اوپر گزر چکی ہے۔ اور کچھ دلائل آگے آتے ہیں پس آمین بھی بالجہر کہنی چاہیئے۔

مقتدی اگر آیت وَاذْکُرْ رَّبَّکَ مقتدی کو شامل ہے اور اس سے اس کی آہستہ آمین ثابت ہوتی ہے۔ تو اس سے لازم آیا کہ:۔

مقتدی فاتحہ بھی آہستہ پڑھے۔ کیونکہ اصل دعا تو فاتحہ ہی ہے۔ آمین تو تابع ہے۔ پس اس بنا پر مقتدی کی دو حیثیتیں ہوئیں:۔

(۱) اپنی دعا پر بھی آمین کہے گا

(۲) اور امام کی دعا پر بھی۔

مقتدی کی پہلی حیثیت سے تو یہاں بحث نہیں۔ کیونکہ مقتدی فاتحہ آہستہ پڑھتا ہے۔ تو اس پر آمین بھی آہستہ کہے گا۔ صرف اتنی بات ہے۔ کہ اگر فاتحہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھے۔ تو پھر الگ آمین کی ضرورت نہیں۔ بلکہ امام کی دعا پر آمین کافی ہو جائے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے انسان مسجد میں آئے تو اس پر دو رکعت (تحیۃ المسجد) ہیں۔ مگر فرض نماز کا وقت ہو تو اس سے تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک نماز میں آیت سجدہ پر تلاوت ختم کر کے رکوع کر دے۔ تو اس رکوع ہی سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔ الگ سجدہ کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک اسی طرح مقتدی کی امام کے ساتھ ہی آمین کافی ہوگی۔ اور اگر مقتدی نے فاتحہ امام کے ساتھ نہیں پڑھی۔ بلکہ آگے پیچھے پڑھی تو پھر اس کو الگ آمین کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ ابوزبیر نمیری رض کی حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ کہ آمین "مہر" ہے۔ گویا دو جگہ آمین ہوگی۔ ایک اپنی فاتحہ پر حدیث ابوزہیر رض کی بنا پر اور ایک امام کی فاتحہ پر حدیث اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا کی بنا پر۔

مقتدی کی دو آمین

اور یہاں سے بعض لوگوں کے اس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا۔ جو کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر مقتدی امام کی فاتحہ کے درمیان آکر ملے۔ تو وہ اپنی فاتحہ پڑھے۔ یا امام کے ساتھ آمین کہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کام کرے۔ تاکہ دونوں حدیثوں (آمین اور فاتحہ) پر عمل ہو جائے۔ خیر یہ سوال و جواب تو ضمنی شے ہے۔ اصل بحث یہ ہے کہ :-

مقتدی کی دو حیثیتیں ہیں۔ پہلی حیثیت میں تو وہ منفرد کی طرح ہے۔ کیونکہ وہ اپنی فاتحہ الگ پڑھتا ہے۔ امام کی فاتحہ پر اکتفا نہیں کرتا۔ اس حیثیت سے اس کی آمین اپنی دعا پر ہوگی۔ اس حیثیت میں اگر مقتدی

امام کے آگے پیچھے ہو جانے کی وجہ سے دوسری آمین کہے تو یہ آہستہ ہی ہوگی۔

رہی دوسری حیثیت یعنی امام کی فاتحہ پر آمین کہے۔ سو اس کی بابت مولوی ارشاد احمد کا خیال ہے۔ کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ کہیں اور اس پر آیت وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ سے استدلال کیا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ:۔

امام کے متعلق تو اوپر لکھا جا چکا ہے۔ رہا مقتدی اس کے متعلق ایک جواب تو وہی ہے۔ جو امام کے متعلق گذرا ہے۔ کہ آیت "وَاذْكُرْ رَبَّكَ" آمین کو شامل ہو تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کو بطریق اولیٰ شامل ہوگی کیونکہ مقتدی اسی پر آمین کہتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ:۔

مقتدی آمین آہستہ اور جہر میں امام کے تابع ہے۔ پس جو امام کا حکم وہی مقتدی کا حکم ہے۔

دوسری دلیل مولوی ارشاد احمد نے سکتہ والی حدیث پیش کی ہے۔ مگر اس میں کئی احتمال ہیں۔ اور یہ اصول مسلّم ہے۔ کہ

"جہاں احتمال ہو اس سے استدلال باطل ہے"

چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔

اب ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر مولوی ارشاد احمد اس پر خوش ہیں۔ تو اس کے مقابلہ میں ہم بھی احتمال والی دلیل پیش کئے دیتے ہیں۔ بلکہ مولوی ارشاد احمد نے تو حدیث پیش کی ہے۔ ہم کتاب اللہ پیش کرتے ہیں:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا۔	اپنی صلوٰۃ کے ساتھ نہ زیادہ آواز بلند کر نہ آہستہ۔ بلکہ درمیانہ راستہ

اس آیت میں صلوٰۃ کے دو معنی مشہور ہیں۔ ایک قرأت، دوسرے دعا۔ حضرت عائشہ رض سے روایت ہے۔ کہ یہ آیت دعا کے بارے میں اتری ہے۔ اور عبداللہ بن شداد رح کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے۔ تو اعرابی دعا کرتا کہ یا اللہ! مجھے اونٹ دے، اولاد دے۔ اس موقعہ پر یہ آیت اتری۔ اور ابن عباس رض سے بھی ایک روایت ہے۔ کہ یہ آیت دعا کے بارے میں اتری ہے۔ اسی طرح عطا رح مجاہد رح سعید بن جبیر رح ابو عیاض رح مکحول رح عروہ بن زبیر رح یہ سب تابعین یہی کہتے ہیں۔ کہ یہ آیت دعا کے بارہ میں ہے۔ بلکہ امام ابو حنیفہ رح کے استاد ابراہیم نخعی رح بھی یہی فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (معالم التنزیل، تفسیر خازن اور تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۶۹) پس اس بنا پر اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:۔

"اپنی دعا کے ساتھ نہ زیادہ آواز بلند کر اور نہ بالکل آہستہ بلکہ ان دونوں کے درمیان والا راستہ اختیار کر۔"

اب مولوی ارشاد احمد کی تقریر کی طرح یہاں یوں تقریر ہوگی:۔

کہ آمین چونکہ دعا ہے۔ اس بنا پر اس آیت کی رُو سے درمیانی آواز سے کہنی چاہیئے۔ نہ کہ بہت چلّا کر۔"

سو الحمد للہ! یہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔

اس کی مزید وضاحت اور قولِ عطا تابعی رحمۃ اللہ علیہ

حنفیہ کہا کرتے ہیں۔ کہ بخاری میں عطا تابعی رح سے روایت ہے۔ کہ آمین دعا ہے اور دعا کی بابت قرآن مجید میں حکم ہے:۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (قرآن مجید)

یعنی اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ پکارو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے
حنفیہ کی یہ تقریر بعینہٖ آمین بلند آواز سے کہنے میں بھی جاری ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ عطاء تابعی رح نے آیہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ میں بھی) دعا کے ساتھ تفسیر کی ہے
اس سے معلوم ہوا کہ آمین درمیانی آواز سے کہنی چاہیئے۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ استاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

نصب الرایہ جلد اول صـ۳۲۵ بحوالہ مصنف عبدالرزاق رح اور کتاب الآثار امام ابراہیم نخعی رح سے نقل کیا ہے۔ کہ امام چار چیزیں پوشیدہ کرے۔

(۱) اَعُوْذُ (۲) بِسْمِ اللہ (۳) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ (۴) آمِیْنْ

اور مصنف عبدالرزاق میں ایک روایت میں پانچ ذکر کی ہیں۔ اور پانچویں رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ہے۔

ایک طرف تو ابراہیم نخعی رح یہ کہتے ہیں۔ کہ آمین آہستہ کہنی چاہئے۔ اور دوسری طرف وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ کی تفسیر دعا کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور جب آمین دعا ہوئی تو اس بنا پر اس آیت کے معنے ان کے نزدیک یہ ہوئے۔ کہ آمین درمیانی آواز سے کہنی چاہیئے۔

موافقت کی صورت یوں ہو سکتی ہے کہ آہستہ نمازوں میں آہستہ اور بلند میں بلند؀

لے ہدایہ میں یہ چار چیزیں عبداللہ بن مسعود رضؓ سے نقل کی ہیں۔ مگر نصب الرایہ جلد اول صـ۳۳۲ میں اس قول کو غریب کہہ کر بے سند چھوڑ دیا ہے۔ پھر ابن ابی شیبہ کے حوالے سے عبداللہ بن مسعود کا یہ قول ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں باقی تین چیزیں ہیں آمین نہیں۔ اور حافظ ابن حجر رح بھی تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود سے اس قول کو جس میں چار چیزوں کا ذکر ہے میں نے نہیں پایا۔ اسی طرح ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں اسے بے سندی چھوڑ دیا۔ پھر ان چیزوں کو ابراہیم نخعی رح سے با اسناد ذکر کیا ہے پس عبداللہ بن مسعود رضؓ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ۱۲

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

بعض کہتے ہیں۔ کہ آیت اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا ناسخ ہے اور آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ منسوخ ہے۔ مگر یہ بے دلیل ہے۔ بلکہ اگر منسوخ ہو تو پہلی منسوخ ہونی چاہیے کیونکہ پہلی سورۃ اعراف میں ہے اور دوسری سورہ بنی اسرائیل میں ہے اور اعراف بنی اسرائیل سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر اتقان ص۱۵

اس کے علاوہ پانچ جواب اس کے اور ہیں:۔

اوّل یہ کہ آمین بے شک دعا ہے۔ لیکن مستقل دعا نہیں بلکہ اھدنا الصراط المستقیم وغیرہ کے تابع ہے۔ پس جو اصل کا حکم ہوگا۔ وہی تابع کا ہوگا۔ چنانچہ ابھی گذرا ہے۔

دوم یہ کہ عطا تابعی رح آمین کو دعا بھی کہتے ہیں۔ اور جہر کے بھی قائل ہیں چنانچہ جہر کے ثبوت میں فرماتے ہیں کہ:۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے آمین کہی۔ اور ان کے ساتھ لوگوں نے بھی کہی۔ یہاں تک کہ مسجد کے لئے تھرتھراہٹ تھی۔ (بخاری)

اور دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ:۔

میں نے دوسو صحابہ کو آمین بلند آواز سے کہتے پایا۔ ملاحظہ ہو:۔

(فتح الباری جز ۲ ص۲۱۲ وعون المعبود جز ۱ ص۳۵۳ وتحفۃ الاحوذی جز ۱ ص۲۰۹ وغیرہ)

سوم یہ کہ اس آیت اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً میں پوشیدگی کی حالت سے مراد تنہائی ہے اور اس کو خاص اس لئے کہا کہ اس میں اخلاص زیادہ ہے۔ ورنہ جماعت میں اونچی بہتر ہے۔ تاکہ ایک کی عاجزی کا اثر دوسرے پر پڑے۔ جیسے بارش کی دعا کے لئے اکٹھے ہو کر باہر نکلتے ہیں۔ بلکہ پانچ نمازوں میں سلام پھیر کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ ہاں جہاں حکم آہستہ کا ہے۔ وہاں آہستہ چاہیئے مثلاً آہستہ نمازوں میں آہستہ کہے:

چہارم۔ وبا (طاعون ہیضہ وغیرہ) کے وقت حنفیہ بھی دعا قنوت بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ شامی، ردالمختار جلد اول صفحہ ۴۹۶ میں اس کی تصریح کی ہے۔ بلکہ تین نمازوں میں.......... امام اہدنا الصراط المستقیم بھی بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ اور اگر ہر دعا آہستہ مانگی جاتی۔ تو دعا قنوت اور اہدنا الصراط المستقیم کا بلند آواز سے پڑھنا جائز نہ ہوتا۔ اگر کہا جائے۔ کہ دعا قنوت اور اہدنا الصراط المستقیم وغیرہ خاص ہیں۔ کیونکہ ان کا بلند آواز سے پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔ تو اس صورت میں ہم کہیں گے۔ کہ آمین کا بلند آواز سے کہنا بھی احادیث سے ثابت ہے

پنجم، آیت تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (پ ۷ ع ۱۴) کے تحت ابن کثیر میں لکھا ہے۔ کہ جَهْرًا وَّسِرًّا یعنی بلند آواز سے اور پوشیدہ یعنی تضرع کے معنے بلند آواز کے کئے ہیں اور تفسیر مدارک میں ہے مُعْلِنِيْنَ الضَّرَاعَةَ۔ یعنے عاجزی کو ظاہر کرنے والے۔ اور تفسیر جلالین میں ہے اَیْ عَلَانِيَةً یعنی تَضَرُّعًا سے مراد علانیہ ہے۔ یہی معنی تفسیر بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل اور دیگر تفاسیر میں لکھے ہیں۔ پس جب تَضَرُّعًا سے مراد جہراً اور علانیہ بھی ہو سکتا ہے۔ تو پھر آیت کریمہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ سے آہستہ آمین پر استدلال کرنے کی جڑ ہی کٹ گئی؛

بلند آواز سے آمین کہنے کے متعلق احادیث و آثار

اور

علمائے احناف کے فتاوے

احادیث :

۱ حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلیٰ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قال آمین حتیٰ یسمع من یلیہ من الصف الاوّل (ابوداؤد ص۱۳۴ طبع دہلی)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ جو پہلی صف سے آپ کے نزدیک ہوتے۔ وہ سن لیتے۔

اس حدیث پر حنفیہ کی طرف سے دو اعتراض ہوتے ہیں :-

ایک یہ کہ اس حدیث کی اسناد میں بشر بن رافع الحارثی ابو الاسباط ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق نصب الرایہ جلد اول ص۳۷۱ میں علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں

"ضعفہ البخاری والترمذی والنسائی واحمد وابن معین و ابن حبان"۔ اس کو امام بخاری ترمذی نسائی ابن معین اور ابن حبان نے ضعیف کہا ہے

دوسرا اعتراض یہ کہ ایک راوی ابو عبد اللہ ابن عم ابو ہریرہ رض ہے۔ جو بشر بن رافع کا استاد ہے۔ اس کے متعلق علامہ زیلعی رح لکھتے ہیں۔

"کہ اس کا حال معلوم نہیں۔ اور بشر بن رافع کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں

کی۔یعنی یہ مجہول العین ہے اس کی شخصیت کا پتہ نہیں "

جواب اعتراض اوّل خلاصہ تہذیب الکمال ص۴۲ میں بشر بن رافع کے متعلق لکھا ہے۔

وثقہ ابن معین وابن عدی — یعنی ابن

وقال البخاری لایتابع علیہ — معین وابن عدی نے اس کو ثقہ کہا

ہے۔اور امام بخاریؒ نے کہا ہے۔اس کی موافقت نہیں کی جاتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی اس کو ضعیف کہتا ہے۔اور کوئی ثقہ۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ضعیف کہنے والوں نے ضعف کی وجہ بیان نہیں کی۔اور ایسی جرح کو جرح مبہم کہتے ہیں اور اصول کا یہ قاعدہ ہے:۔

"کہ ثقہ کہنے والوں کے مقابلے میں ایسی جرح کا اعتبار نہیں۔ہاں اگر وجہ ضعف بیان کردی جاتی تو ایسی جرح بے شک تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔اور ایسی جرح کو جرح مفسر کہتے ہیں"

پھر امام بخاریؒ کا کہنا کہ اس کی موافقت نہیں کی جاتی۔یہ بہت ہلکی جرح ہے۔ایسے راوی کی حدیث حسن درجہ سے نہیں گرتی۔غالباً اسی لئے ابو داؤد اور منذری نے اس پر سکوت کیا ہے۔اور اس سے

دوسرے اعتراض کا جواب بھی نکل آیا۔کیونکہ ابو داؤد جس حدیث پر سکوت کرتے ہیں۔وہ ان کے نزدیک اچھی ہوتی ہے۔اور مجہول العین کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔پس ابو عبداللہ مجہول العین نہ ہوا۔ورنہ وہ سکوت نہ کرتے۔علاوہ اس کے علامہ زیلعیؒ کو غلطی لگی ہے۔یہ مجہول نہیں۔حافظ ابن حجرؒ تقریب میں لکھتے ہیں مَقْبُوْل"۔یعنی اس کی حدیث معتبر ہے۔

امام دار قطنیؒ کہتے ہیں۔اس حدیث کی اسناد حسن ہیں۔مستدرک حاکم میں ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔امام بیہقی کہتے ہیں حسن صحیح ہے۔

(نیل الاوطار ج۲ ص۱۱۹ طبع مصر)

تنبیہ :- نصب الرایہ جلد اول ص۳۷۱ کے حاشیہ میں لکھا ہے ۔ کہ اس کی اسناد میں اسحٰق بن ابراہیم بن العلاء زبیدی ضعیف ہے
مگر جرح مفسر ثابت نہیں ہوئی ۔ اس لئے دارقطنی نے اس کو "حسن" کہا ہے ۔ اور حاکم نے صحیح اور بیہقی رح نے حسن صحیح اور میزان الاعتدال میں جو عوف طائی سے اس کا جھوٹا ہونا ذکر کیا ہے ۔ حافظ ابن حجر رح نے تقریب میں اس کی تردید کر دی ہے اور خلاصہ تذہیب الکمال میں عوف طائی کے ان الفاظ کو نقل ہی نہیں کیا ۔ حالانکہ وہ خلاصہ والے میزان الاعتدال سے لیتے ہیں ۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں :-

عن ابی ھریرۃ قال ترک الناس التامین کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قال اٰمِين حتّٰی یسمعہا اھل الصف الاول فیرتج بھا المسجد ۔	(ترجمہ) ابوہریرہ رض کہتے ہیں ۔ لوگوں نے آمین چھوڑ دی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے ۔ یہاں تک کہ پہلی صف سن لیتی ۔ پس (بہت آوازوں کے ملنے سے) مسجد لرز جاتی ۔ (ابن ماجہ ص۶۲ طبع دہلی)

اس حدیث کی صحت بھی ویسی ہی ہے جیسی پہلی حدیث کی ۔ ملاحظہ ہو :-

(نیل الاوطار جلد ۲ ص۱۱۱ طبع مصر)

(۳) عن ام الحصین انھا کانت تصلی خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صف النساء فسمعتہ یقول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	(ترجمہ) ام الحصین رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عورتوں کی صف میں نماز پڑھا کرتی تھیں ۔ وہ کہتی ہیں ، میں نے آپ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا ۔ الحمد للہ رب العلمین ، الرحمن الرحیم ۔

حتی اذا بلغ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْن
(مجمع الزوائد ہیثمی جلد ۲ ص۱۱۳)
(تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر ص۷۵)

مالک یوم الدین، یہاں تک کہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچتے۔ تو آمین کہتے۔ یہاں تک کہ میں سنتی اور میں عورتوں کی صف میں ہوتی۔

مذکورہ بالا حدیث میں ایک راوی اسمٰعیل بن مسلم مکی ہے۔ اس پر زیلعی رح نے اور حافظ ابن حجر رح نے تو سکوت کیا ہے۔ مگر ہیثمی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ خیر اگر ضعیف ہو تو دوسری روایتیں مذکورہ بالا اور زیرین اس کو تقویت دیتی ہیں۔

تنبیہ:۔ کبھی پہلی صف کا سننا اور کبھی پچھلی صفوں تک آپ کی آواز کا پہنچ جانا، اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ کبھی آپ آمین فاتحہ کی آواز کے برابر کہتے۔ اور کبھی معمولی آواز سے۔

(۴) اخرجہ ابو داؤد والترمذی عن سفیان عن سلمۃ بن کہیل عن حجر بن عباس عن وائل بن حجر واللفظۃ لابی داؤد قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قرأ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قال اٰمین ورفع بہا صَوْتَہٗ انتہی ولفظ الترمذی ومدّ بہا صوتہٗ وقال حدیث حسن
(تخریج ہدایہ زیلعی رح جلد اول ص۳۷)

(ترجمہ) ابو داؤد اور ترمذی میں ہے۔ وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ یہ ابو داؤد کے لفظ ہیں۔ اور ترمذی کے یہ لفظ ہیں وَمَدَّ بِہَا صَوْتَہٗ یعنی آمین کے ساتھ آواز کو کھینچتے۔ اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

تنبیہ:۔ بعض لوگ مَدَّ بِہَا صَوْتَہٗ کے معنے کرتے ہیں۔ کہ آمین کے وقت الف کو کھینچ کر پڑھتے۔ لیکن ابو داؤد کے لفظ رَفَعَ بِہَا صَوْتَہٗ۔ اور نمبر ۵ کی روایت جَھَرَ بِاٰمِیْنَ نے وضاحت کر دی۔ کہ مَدَّ بِہَا سے مراد آواز کی بلندی ہے۔ اور یہ

عرب کا عام محاورہ ہے۔ اور احادیث میں بھی بہت آیا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غفار، اسلم اور مزینہ تینوں قبیلے تمیم، اسد، غطفان اور بنی عامر صعصعہ سے بہتر ہیں۔ یَمُدُّ بِھَا صَوْتَہٗ۔ یعنی بلند آواز سے کہتے۔ اور بخاری میں براء سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احزاب کے دن خندق کھودتے اور یہ کلمات کہتے:۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا	یا اللہ! اگر تیرا احسان نہ ہوتا تو نہ ہم
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا فَاَنْزِلَنْ	ہدایت پاتے، نہ صدقہ خیرات کرتے
سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ	نہ نماز پڑھتے ہیں اگر ہم دشمنوں کو
ان لاقینا ان الاولی رغبوا علینا	ملیں تو ہمارے دلوں کو ڈھارس
واذا اردوا فتنۃ ابینا قال	دے۔ اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ
یمد صوتہ باخرھا۔	یہ لوگ ہم پر دشمنوں کو چڑھا کر لے آئے

جب انھوں نے ہم سے مشرکانہ عقیدہ منوانا چاہا ہم نے انکار کر دیا۔ براء کہتے ہیں۔ اخیر کلمہ (اَبَیْنَا یعنی ہم نے انکار کر دیا) کے ساتھ دوسرے کلمات کی نسبت آواز بلند کرتے۔"

اور ابوداؤد وغیرہ میں ترجیع اذان کے متعلق ابو محذورہ کی حدیث ہے۔ اس میں یہ الفاظ فمد من صوتك۔ یعنی اپنی آواز (پہلے کی نسبت) بلند کر۔

(۵) اخرج ابو داؤد والترمذی عن علی بن صالح ویقال العلاء بن صالح الاسدی عن سلمۃ بن کھیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ صلّی فجھر بآمین۔ (نصب الرایہ، تخریج ہدایہ زیلعی ج ۱ ص ۱۳۷)

ترجمہ:۔ وائل بن حجرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز

میں بلند آواز سے آمین کہی "

تنبیہ :- وائل بن حجر کی اس حدیث کے راوی شعبہ بھی ہیں۔ جو سلمہ بن کہیل کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے اپنی روایت میں وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آمین کہی۔ حنفیہ اسی روایت کو لیتے ہیں۔ اور سفیان ثوری نے جو اپنی روایت میں سلمہ بن کہیل سے ومد بھا صوتہ یا ورفع بھا صوتہ کہا ہے اس کو ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ فتح القدیر شرح ہدایہ اور عنایہ شرح ہدایہ جلد اول ص۲۱۹ پر رفع یدین کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ زیادہ فقیہہ کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور سفیان ثوری بالاتفاق شعبہ سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ اس بناء پر سفیان کی روایت کو ترجیح ہونی چاہیئے اور محدثین کا اصول ہے کہ زیادہ حافظہ والے کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور سفیان حافظہ میں بھی شعبہ سے زیادہ ہیں۔ اور اسی بناء پر حنفیہ نے کئی مقامات پر سفیان کو شعبہ کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۱۰-۲۱۱ پھر لطف کی بات یہ ہے۔ کہ سلمہ بن کہیل کے دو شاگرد اور ہیں۔ ایک علاء بن صالح یہ ثقہ ہیں ان کو علی بن صالح بھی کہتے ہیں۔ دوسرے محمد بن سلمہ۔ یہ ضعیف ہیں۔ ان دونوں سے علاء کی روایت میں جَهَرَ بِآمِیْن ہے۔ اور محمد بن سلمہ کی روایت میں رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ ہے۔ بلکہ خود شعبہ نے بھی ایک روایت میں سلمہ بن کہیل سے رَافِعًا بِهَا صَوْتَهُ روایت کیا ہے۔ اور سند بھی اس کی صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو نصب الرایہ ج ۱ ص۳۶۹ اور تلخیص الحبیر ص۸۹ اور تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۱۱، مگر باوجود اس کے حنفیہ نے شعبہ کی روایت خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ ہی کو لیا ہے۔ لیکن سارے حنفیہ ایک سے نہیں۔ کئی اس کمزوری کو محسوس کر کے آمین بالجہر کے قائل ہیں۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے آتا ہے انشاء اللہ

(۶) عن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ قال صلیت خلف — ترجمہ :- عبد الجبار بن وائل اپنے باپ وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما افتتح الصلوٰۃ کبر ورفع یدیہ حتی حاذتا اذنیہ ثم قرأ فاتحۃ الکتاب فلما فرغ منھا قال آمین یرفع صوتہ (رواہ النسائی) (تخریج زیلعی ج ۱ ص ۳۷۱)	کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب نماز شروع کی تو تکبیر کہی۔ اور ہاتھ اٹھائے۔ یہاں تک کہ کانوں کے برابر ہو گئے۔ پھر فاتحہ پڑھی۔ پھر جب فاتحہ سے فارغ ہوئے تو بلند آواز سے آمین کہی۔ اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا۔

نصب الرایہ جلد اول ص ۳۷۱ کے حاشیہ میں امام نووی کے سے بحوالہ شرح المہذب للنووی لکھا ہے۔ کہ:۔

آئمہ اس بات پر متفق ہیں۔ کہ عبد الجبار نے اپنے والد سے نہیں سنا۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے۔ کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہے۔ پس یہ حدیث منقطع ہوئی "

اس کا جواب یہ ہے کہ حجر بن عنبس نے بھی وائل بن حجر سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور اس نے وائل سے سنی ہے۔ اس لئے منقطع ہونے کا شبہ رفع ہو گیا۔ نیز کتب اسماء الرجال میں عبد الجبار کا اسناد زیادہ تر اس کا بھائی علقمہ لکھا ہے۔ اس لئے غالب ظن ہے۔ کہ اس نے یہ حدیث اپنے بھائی علقمہ سے سنی ہو۔ نصب الرایہ جلد اول ص ۲۰ پر جو لکھا ہے۔ کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا وہ اپنے باپ کی وفات سے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ نقل کرنے والوں کی غلطی ہے۔ اور یہیں سے حافظ ابن حجر کو بھی غلطی لگی ہے۔ وہ بھی تقریب میں لکھتے ہیں۔ کہ علقمہ بن وائل نے اپنے باپ سے نہیں سنا حالانکہ وہ عبد الجبار ہے۔ اور وہی اپنے باپ کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ ابھی گذرا ہے۔

ترمذی باب المرأۃ استکرہت علی الزنا میں تصریح کی ہے۔ کہ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے۔ اور وہ عبدالجبار سے بڑا ہے۔ اور عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا؛ اور مسلم باب "منع سب الدہر" میں علقمہ کی حدیث جو اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے لائے ہیں۔ اور مسلم منقطع حدیث نہیں لا سکتے۔ کیونکہ وہ ضعیف ہوتی ہے۔

اور ابو داؤد "باب فی من حلف لیقتطع بہا مالاً" میں اس کی حدیث اس کے باپ سے لائے ہیں۔ اور اس پر سکوت کیا ہے۔ حالانکہ ان کی عادت ہے کہ وہ انقطاع وغیرہ بیان کرتے ہیں۔

بہر صورت علقمہ کے سماع میں شبہ نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خلاصہ تذہیب الکمال میں تقریب کی یہ عبارت "کہ اس نے اپنے باپ سے نہیں سنا" ذکر نہیں کی۔ خلاصہ والے تقریب سے لیتے ہیں۔ پس جب علقمہ کا سماع ثابت ہو گیا۔ اور غالب ظن ہے۔ کہ عبدالجبار نے یہ حدیث علقمہ سے لی ہے۔ پس حدیث متصل ہو گئی۔ اور حنفیہ کے نزدیک تو تابعی کی حدیث ویسے ہی متصل کے حکم میں ہوتی ہے۔ خواہ اپنے استاد کا نام لے یا نہ لے۔ تو ان کو تو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیئے۔

(۷) عن علی رضؓ قال سمعت رسول	(ترجمہ) حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں۔ میں
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا	نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
قال وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْن۔	سنا۔ کہ جب آپ ولا الضالین کہتے تو
(ابن ماجہ باب الجہر بآمین ص۶۲)	آمین کہتے۔"

اس حدیث میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق مجمع الزوائد میں لکھا ہے "جمہور اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ اور ابو حاتم کہتے ہیں۔ مقام اس کا صدق ہے۔"

مجمع الزوائد میں جمہور کے ضعیف کہنے کی وجہ نہیں بتائی۔ تقریب التہذیب

میں اس کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ صدوق سیئی الحفظ جداً۔
"یعنی سچا ہے۔ حافظہ بہت خراب ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ ضعف کی وجہ حافظہ کی کمزوری ہے۔ ویسے سچا ہے جھوٹ نہیں بولتا۔ پس یہ حدیث بھی کسی قدر اچھی ہوئی۔ اور دوسری حدیثوں کے ساتھ مل کر نہایت قوی ہوگئی۔

تحفۃ الاحوذی ج اول ص۲۰۸ میں ہے:

واما حدیث علی فاخرجہ الحاکم بلفظ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول آمین اذا قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین واخرج ایضاً عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ ولا الضالین رفع صوتہ بآمین کذا فی اعلام الموقعین۔	(ترجمہ) مستدرک حاکم میں ہے حضرت علی رض فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آمین کہتے سنا جبکہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا نیز مستدرک حاکم میں حضرت علی رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین پڑھتے۔ تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ اعلام الموقعین میں اسی طرح ہے

(۸) تحفۃ الاحوذی کے اسی صفحہ میں ہے:-

ولابی ھریرۃ حدیث آخر فی الجھر بالتامین رواہ النسائی عن نعیم المجمر قال صلیت وراء ابی ھریرۃ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن حتی بلغ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین	(ترجمہ) ابوہریرہ رض سے آمین بالجہر کے بارے میں ایک اور حدیث ہے جو نسائی میں ہے۔ نعیم مجمر نے کہا میں نے ابوہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ انہوں نے پہلے بسم اللہ پڑھی۔ پھر فاتحہ پڑھی۔ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے

قال آمین فقال الناس آمین	تو آمین کہی۔ پس لوگوں نے بھی آمین کہی
الحدیث وفی اٰخرہ قال والذی	اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ابوہریرہؓ
نفس محمدٌ بیدہٖ انی لاشبھکم	نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس
صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ	کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے بیشک
علیہ وسلم واسنادہٗ صحیح۔	میں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
	کے ساتھ تم سے زیادہ مشابہت رکھتا
	ہوں۔ اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔

(۹) نصب الرایہ زیلعی جلد اول ص۳۷۱ میں ہے۔

ورواہ ابن حبان فی صحیحہ	(ترجمہ) ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوہریرہؓ
فی النوع الرابع من القسم	سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ
الخامس ولفظہ کان رسول	صلی اللہ علیہ وسلم جب فاتحہ سے فارغ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا	ہوتے۔ تو بلند آواز سے آمین کہتے
فرغ من قراءۃ ام القرآن رفع	(زیلعی رہ نے اس حدیث پر کوئی جرح
بھا صوتہ وقال آمین۔	نہیں کی)۔

(۱۰) ابن ماجہ باب الجہر بآمین ص۶۲ میں ہے:

عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ	(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت
علیہ وسلم قال ما حسدتکم	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الیھود ما حسدتکم علی السلام	نے فرمایا۔ یہود جتنا سلام اور آمین سے
والتامین۔	حسد کرتے ہیں اتنا کسی اور شے پر حسد
	نہیں کرتے۔

بلند آواز سے آمین کہنے میں جب بہت سی آوازیں مل جاتیں۔ تو اس میں اسلامی

نمائش پائی جاتی۔ اس لیے یہود کو حسد آتا۔ ورنہ آہستہ میں حسد کے کچھ معنی ہی نہیں کیونکہ جب سنا ہی کچھ نہیں۔ تو حسد کس بات پر۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ جیسے منذری نے تصریح کی ہے اور ابن خزیمہ اس کو اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے بھی اپنی سنن میں اس کو سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ: یہ دس احادیث ہیں۔ ان کے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ۱۷ ذکر کی ہیں۔

اور آثار تو بے شمار ہیں۔ دو سو صحابہ کا ذکر تو عطاء تابعی کے قول ہی میں گزر چکا ہے۔ اور ابوہریرہ رضہ کے پیچھے بھی لوگ آمین کہتے تھے چنانچہ ۸ کی حدیث گذر چکی ہے۔ بلکہ حنفیہ کے طریق پر اجماع ثابت ہے۔ حنفیہ کا مذہب ہے کہ:۔

• کنوئیں میں گر کر کوئی مر جائے۔ تو سارا کنواں صاف کر دینا چاہیئے۔ دلیل اس کی کنوئیں زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا۔ تو عبداللہ بن زبیرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں کنوئیں کا سارا پانی نکلوا دیا۔ اور کسی نے انکار نہیں کیا۔"

پس یہ اجماع ہو گیا۔ ٹھیک اسی طرح آمین کا مسئلہ ہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے مسجد مکہ میں صحابہ کی موجودگی میں آمین کہی۔ اور ان کے ساتھ لوگوں نے بھی کہی۔ یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی۔ اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ پس یہ بھی اجماع ہو گیا۔ پھر حنفیہ کے پاس آہستہ آمین کے بارے میں ایک حدیث بھی نہیں۔ صرف شعبہ کی روایت ہے جس کا ضعف اوپر بیان ہو چکا ہے اور ہدایہ میں عبداللہ بن مسعود کے قول سے استدلال کیا ہے کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ - اَعُوْذُ - بِسْمِ اللّٰه - اٰمِیْن

مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ درایہ۔ تخریج ہدایہ۔ حافظ ابن حجرؒ ص ۷۱ اور نصب الرایہ تخریج ہدایہ زیلعی ج ۱ ص ۳۲۵ اور فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۱ ص ۲۰۲، ص ۲۰۲ وغیرہ

ہاں ابراہیم نخعی تابعی کا یہ قول ہے۔ کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ مگر مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کے مقابلہ میں ایک تابعی کے قول کی کیا وقعت ہے۔ خاص کر جب خود اس سے اس کے خلاف روایت موجود ہے چنانچہ اوپر گذر چکا ہے۔ کہ وہ آیت کریمہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ میں صلوٰۃ کے معنے دعا کرتے ہیں۔ اس بنا پر آمین ان کے نزدیک درمیانی آواز سے کہنی چاہیئے۔ نہ بہت چلا کر۔ نہ بالکل آہستہ۔ اور یہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔

حنفیہ کے بقیہ دلائل!

بعض حنفیہ نے اس مسئلہ میں کچھ اور آثار بھی پیش کئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ وہ بھی ذکر کر دیں۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح سفر السعادت میں لکھتے ہیں

از امیر المومنین عمر بن الخطاب روایت کردہ اند کہ اخفاء کند امام چار چیز را تعوذ۔ بسم اللہ۔ آمین۔ سبحانک اللھم وبحمدک واز ابن مسعودؓ نیز مثل این آمدہ۔ وسیوطی رح در جمع الجوامع از ابی وائل روایت آوردہ کہ گفت بودند عمرؓ و علی رضؓ کہ جہر نمے کردند بسم اللہ الخ و نہ تعوذ و نہ آمین۔

(ابن جریر۔ طحاوی)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ بسم اللہ۔ آمین۔ سبحانک اللھم۔ اور اسی کی مثل عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی آیا ہے۔ اور سیوطی رح جمع الجوامع میں ابی وائل رح سے روایت لائے ہیں* کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بسم اللہ، اعوذ باللہ آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے ابن جریر اور طحاوی نے اسکو روایت کیا ہے۔

اور ابن ماجہ طبع ہند ص۶۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے:۔

وروی عن عمر بن الخطاب قال یخفی الامام اربعة اشیاء التعوذ۔ والبسملة وآمین وسبحانک اللھم۔ وعن ابن مسعود مثلہ وروی السیوطی فی جمع الجوامع عن ابی وائل قال کان عمرؓ وعلیؓ لایجھران بالبسملة ولا بالتعوذ ولا بآمین رواہ ابن جریر والطحاوی وابن شاہین۔

اس عربی عبارت کا ترجمہ بعینہٖ شرح سفر السعادت کی فارسی عبارت کا ترجمہ ہے حنیفہ کی ساری پونجی یہی ہے۔ جو ان دونوں عبارتوں میں ہے۔ ان دونوں عبارتوں (عربی، فارسی) میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے قول کا تو کوئی حوالہ ہی نہیں دیا۔ کہ کس نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا فعل کہ وہ اعوذ، بسم اللہ، آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ اس کے متعلق کہا ہے۔ کہ ابن جریر، طحاوی اور ابن شاہین نے اس کو روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی اسناد میں سعید بن مرزبان بقال ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔ کہ امام فلاس نے اسے ترک کر دیا ہے۔ اور ابن معین کہتے ہیں۔ اس کی حدیث لکھنے کے قابل نہیں اور بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ اور ابان بن جبلہ کوفی کے ترجمہ میں میزان الاعتدال میں ابن القطان سے نقل کیا ہے۔ بخاری کہتے ہیں جس کے حق میں میں منکر الحدیث کہدوں۔ اس سے روایت لینی حلال نہیں۔ پس یہ روایت بالکل ردی ہو گئی۔ علاوہ اس کے ان کتابوں کے متعلق جن کی یہ تعداد ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ البالغہ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ عجالۃ نافعۃ میں لکھتے ہیں:-

"کہ ان کی روایتیں بغیر جانچ پڑتال کے نہیں لینی چاہئیں۔ کیونکہ یہ احتیاط نہیں کرتے جھوٹی سچی، صحیح ضعیف سب انہوں نے خلط ملط کر دی ہیں"۔

پس حنیفہ کا بغیر تصحیح کے ان کی روایتیں پیش کرنا ڈبل غلطی ہے۔ خاص کر جب

خود حضرت علیؓ سے آمین بالجہر کی روایت آگئی ہے۔ جو ۲۷ میں گذر چکی ہے۔ اور بسم اللہ بھی جہراً ان سے ثابت ہے چنانچہ سبل السلام اور دار قطنی میں مذکور ہے ملاحظہ ہو مسک الختام شرح بلوغ المرام صفحہ ۲۳۔

علاوہ اس کے مرفوع احادیث کے مقابلہ میں کسی کا قول و فعل کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا۔ مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیئے ے

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ ادائی ہو ادھر حکم پیغمبر ہو ادھر گردن جھکائی ہو

مزید ثبوت اور علمائے احناف کی شہادت

بعض اختلافی مسائل میں جانبین کے پاس دلائل کا کچھ نہ کچھ سہارا ہوتا ہے مگر یہاں تو دوسرے پلڑے میں کچھ بھی نہیں۔ اور جو کچھ ہے۔ اس کا اندازہ قارئین کرام کو ہو چکا ہوگا۔ اب اس کی مزید وضاحت علمائے احناف کے فیصلوں سے ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن الہمامؒ احناف کے جد امجد ہیں حنفی مذہب کی مشہور کتاب شامی (رد المحتار) کی جلد ۴ صفحہ ۲۸۸ میں لکھا ہے۔

کمال ابن الهمام بلغ رتبة الاجتهاد۔	یعنی امام ابن الہمام مرتبہ اجتہاد کو پہنچ گئے۔

وہ اپنی کتاب فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

ولو كان إليّ في هذا شيئ لوفقت بان رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية	(ترجمہ) اگر فیصلہ میرے سپرد ہوتا۔ تو میں یوں موافقت کرتا۔ کہ آہستہ کہنے کی حدیث سے یہ مراد ہے۔ کہ

الجھر بمعنی قولھا فی زیر الصوت وذیلہٗ (فتح القدیر ج۱ ص۱۱۷) | چلاّ کے نہ کہے۔ اور جہر کی حدیث سے مراد درمیانی آواز ہے۔

امام ابن امیر الحاج رحمہ اللہ یہ امام ابن الہمام رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ یہ اپنے استاد کے فیصلہ پر صاد فرماتے ہیں چنانچہ اپنی کتاب "حلیہ" میں لکھتے ہیں:۔

ورجح مشایخنا بما لا یعری عن شئ لمتاملہ فلا جرم ان قال شیخنا ابن الھمام ولو کان الی شیئ الخ (تعلیق الممجد علی موطا الامام محمد ص۱۰۵) | (ترجمہ) ہمارے مشائخ نے جن دلائل سے اپنے مذہب کو ترجیح دی ہے وہ تامل سے خالی نہیں۔ اسلئے ہمارے شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اگر فیصلہ میرے سپرد ہوتا۔ الخ

شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ جن کی فارسی عبارت شرح سفر السعادت کے حوالہ سے ابھی گذری ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے بہت پہلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حنفی مذہب کے ترک کا ارادہ کیا۔ لیکن علماء مکہ نے مشورہ دیا۔ کہ جلدی نہ کرو۔ حنفی مذہب کے دلائل پر غور کرو۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے کتاب "فتح سر المنان" لکھی۔ اس میں حنفی مذہب کے دلائل جمع کئے مسئلہ آمین کے متعلق یہی عبارت لکھی۔ جو امام ابن الہمام رحمہ اللہ نے لکھی اور امام ابن الہمام رحمہ اللہ والا ہی فیصلہ کیا۔

مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ حنفی مذہب کے مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

والانصاف ان الجھر قوی من حیث الدلیل۔ | (ترجمہ) یعنی انصاف یہ ہے کہ دلیل کی رو سے آمین بالجہر قوی ہے

(التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد ص۱۰۵)

مولانا سراج احمد صاحب یہ بھی حنفی مذہب کے مشہور بزرگ ہیں۔ شرح ترمذی میں لکھتے ہیں

احادیث الجہر بالتامین اکثر و اصح (ترجمہ) یعنی بلند آواز سے آمین کہنے کی احادیث اکثر ہیں۔ اور زیادہ صحیح ہیں

ان کے علاوہ مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی حنفی بھی ارکان الاسلام میں یہی لکھتے ہیں۔ کہ "آمین آہستہ کہنے کی بابت کچھ ثابت نہیں ہوا۔" اور دیگر علماء بھی اسی طرح لکھتے ہیں۔ مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب آہستہ کہنے کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔ تو بہت بھرمار سے فائدہ ہی کیا۔ تسلی و اطمینان کے لئے جو کچھ لکھا گیا۔ خدا اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ اور ضد و تعصب سے محفوظ رکھے۔ آمین ⁂

(مسئلہ آمین ختم ہوا)

مسئلہ رفع یدین

آمین اور رفع یدین کے اختلاف میں فرق ہے حنفیہ آمین بالجہر کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ اور رفع یدین کے ثبوت کے قائل ہیں۔ مگر کہتے ہیں۔ کہ بعد کو منسوخ ہوگیا۔ اس بناء پر مسئلہ رفع یدین کے ثبوت میں دلائل کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف یہ تبلانا کافی ہے۔ کہ جن احادیث سے رفع یدین ثابت ہے وہ منسوخ نہیں۔ اور نہ ان کا کوئی ناسخ ہے۔ اب ثبوت رفع یدین کے بارے میں جو احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ وہ صرف اس بناء پر ذکر کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے۔ کہ ان احادیث کے مقابلے میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے ان کا منسوخ ہونا ثابت ہو۔ احادیث تو بہت ہیں جو مختلف صحابہ کرام رض سے آئی ہیں۔ مگر ہم دس پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱)

عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ وَقَبْلَ اَنْ يَّرْكَعَ وَاِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلَا يَرْفَعُهُمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔ (مسلم صفحہ ۱۶۸ جلد اول)

ترجمہ:۔ حضرت سالم اپنے باپ عبداللہ بن عمر رض سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کرتے کندھوں تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور رکوع کرنے سے پہلے بھی اٹھاتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت بھی۔ اور دو سجدوں کے درمیان نہیں اٹھاتے تھے۔

(۲)

عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ اَنَّہٗ رَاٰی مَالِكَ بْنَ الْحُوَیْرِثِ اِذَا صَلّٰی کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَحَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَنَعَ ھٰکَذَا ۔ (بخاری ص۱۰۲ وکذا مسلم)

ترجمہ :- ابو قلابہؓ کہتے ہیں ۔ کہ میں نے مالک بن حویرث کو دیکھا جب نماز پڑھتے تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ۔ اور جب رکوع کا ارادہ کرتے ۔ اس وقت بھی ہاتھ اٹھاتے ۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے ۔ اس وقت بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور حدیث سناتے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا ۔"

(۳)

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قُلْتُ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ یُصَلِّیْ فَقَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذَتَا بِاُذُنَیْہِ فَلَمَّا رَکَعَ رَفَعَھُمَا مِثْلَ ذٰلِكَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَھُمَا مِثْلَ ذٰلِكَ (ابن ماجہ ص۶۲)

ترجمہ :- ابی وائل بن حجرؓ سے روایت ہے ۔ کہ میں نے کہا البتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضرور دیکھوں گا کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے منہ قبلہ کی طرف متوجہ کیا ۔ پس دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ کانوں کے برابر ہو گئے ۔ جب رکوع کیا ۔ دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھائے جب رکوع سے سر اٹھایا ۔ اس وقت بھی اسی طرح اٹھائے ۔"

(۴)

اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ

وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَيَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جب وہ نماز شروع کرتے۔ تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت بھی اسی طرح کرتے۔ اور فرماتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا۔

(۵)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نماز کیطرف کھڑے ہوتے تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے۔ تو اسی طرح کرتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اس وقت بھی اسی طرح کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر تیسری کیلئے اُٹھتے اس وقت بھی اسی طرح کرتے۔

(۶)

قَالَ أَبُو بَكْرٍ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رُوَاتُهُ ثِقَاتٌ (بیہقی ص۷۳)

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ شروع نماز میں اور رکوع کرنے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ (اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

(۷)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ وَاِذَا رَكَعَ (ابن ماجہ)

ترجمہ:- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے (یعنی تکبیر تحریمہ کہتے) تو رفعیدین کرتے اور رکوع کے وقت بھی رفعیدین کرتے۔

(۸)

عَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىِّ قَالَ هَلْ اُرِيْكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ لِلرُّكُوْعِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا فَاصْنَعُوْا وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ (دارقطنی صــ)

ترجمہ:- ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دکھلاؤں پس تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اٹھائے پھر رکوع کیلئے تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اٹھائے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہا پھر ہاتھ اٹھائے پھر فرمایا اسی طرح کرو اور دو سجدوں کے درمیان ہاتھ نہیں اٹھائے۔

(۹)

عَنْ اَبِىْ حُمَيْدِنِ السَّاعِدِىِّ قَالَ سَمِعْتُهٗ وَهُوَ فِىْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمْ اَبُوْ قَتَادَةَ بْنُ رِبْعِىٍّ قَالَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَامَ فِى الصَّلٰوةِ اِعْتَدَلَ قَائِمًا وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِىَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِىَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَاعْتَدَلَ فَاِذَا قَامَ مِنَ الثِّنْتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِىَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا

صَنَعَ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ (ابن ماجہ ص۶۲)

ترجمہ :۔ ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے دس صحابہؓ کے اجتماع میں فرمایا۔ ایک ان میں ابو قتادہؓ بن ربعی تھے۔ فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تم سے زیادہ عالم ہوں جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے۔ ٹھیک کھڑے ہوتے۔ اور دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے برابر کر دیتے پھر اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے برابر کر دیتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہاتھ اٹھاتے۔ پس ٹھیک کھڑے ہو جاتے پس جب دو رکعتیں پڑھ کر (تیسری رکعت کے لئے) کھڑے ہوتے۔ تو رفیع الیدین کرتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر کر دیتے جیسے کہ نماز شروع کرنے کے وقت کیا۔

(۱۰)

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ (التعلیق المغنی ص۱۱۱)

ترجمہ :۔ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے

ان احادیث اور ان کے علاوہ دیگر احادیث کے منسوخ قرار دینے کے لئے حنفیہ نے جو کوشش کی ہے۔ اس کا اندازہ قارئین کرام مولانا ارشاد احمد کی اس تحریر سے بخوبی کر سکتے ہیں۔ جو انہوں نے استفتاء مذکورہ کے جواب میں لکھی ہے۔ جبکہ اس کے ساتھ ہماری "تنقید و تبصرہ" بھی پڑھیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ استفتاء مع جواب متعلق رفع الیدین دوبارہ نقل کر دیں۔ تاکہ قارئین کرام کو سمجھنے میں سہولت رہے (عبداللہ اکبر آسری روپڑی)

الاستفتاء

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ :-

رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا اور فرض نماز جہری میں آمین کہنا کسی صحیح مرفوع حدیث میں ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

سائل:
محمد شفیع از خان پور
ریاست بہاول پور۔ ضلع رحیم یار خاں
صدر بازار۔ دوکان ۱۳

مورخہ
۵۵/ ۸/ ۱۳

الجواب

رفع الیدین کا مسئلہ تو بدیہی ہے۔ کہ پہلے تھا۔ اور بعد منسوخ ہوگیا تھا۔ اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ:۔

عن البراء بن عازبؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود (رواہُ ابوداؤد)

یعنی حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں۔ کہ تحقیق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تھے۔ تو صرف ایک دفعہ ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے۔ پھر رفع الیدین کے لئے عوذ نہ کرتے تھے۔ (نہیں لوٹتے تھے)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:۔

عن ابن مسعودؓ قال الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیہ وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃً۔

خلاصہ کلام یہ نکلا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے رفع یدین کرنیکا حکم صادر فرمایا تھا۔ اور بعد میں منسوخ ہوگیا۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ اور بعد میں تمام محققین کا مذہب رہا ہے۔

اب خواہ مخواہ ان مسئلوں کو چھیڑنا فقیر کے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔ اب متحد ہوکر مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ امید ہے کہ میرے اہلحدیث بھائی میری اس دعوت پر ضرور لبیک کہیں گے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔ حررہٗ فقیر ارشاد احمد دیوبندی

خادم مجلس تحفظ ختم نبوت۔ پوسٹ آفس چاچڑاں ریاست بہاول پور ۲۳ ۵۶ء بروز جمعہ

تنقید و تبصرہ

(حافظ عبد اللہ امرتسری روپڑی)

مسئلہ رفع یدین پر مولوی ارشاد احمد نے دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ اور ان کی بنا پر دعویٰ کیا ہے کہ رفع یدین منسوخ ہے۔ مگر مولوی ارشاد احمد نے صرف پہلی حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ دوسری کا حوالہ نہیں دیا۔ پھر پہلی حدیث کے حوالہ میں خیانت کی ہے کیونکہ یہ دونوں حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں، پہلی ابوداؤد میں ہے۔ اور دوسری ابوداؤد و ترمذی میں ہے۔ لیکن جہاں ان حدیثوں کا ذکر ہے۔ وہاں ساتھ ضعف بھی بیان کیا ہے۔ مولوی ارشاد احمد نے اس پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ آگے تنقید کرنے والے بھی موجود ہیں تو معاملہ پردہ میں کس طرح رہ سکتا ہے؟ غرض اتنا بڑا دعویٰ کر کے کمزور طریق اختیار کرنا یہ بھی کوئی دانائی نہیں۔

اس کے علاوہ مولوی ارشاد احمد نے ایک اور بڑی ڈبل غلطی کی ہے۔ وہ یہ کہ ایک فروعی مسئلہ کی خاطر اپنے اصول چھوڑ دیئے ہیں۔ جو فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ کی مثال ہے۔ یعنی بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اب تفصیل سنئے۔ تحریر ابن الہمامؒ بحث تعارض میں ہے:۔

حُكْمُهُ النَّسْخُ إِنْ عُلِمَ الْمُتَأَخِّرُ وَإِلَّا التَّرْجِيحُ ثُمَّ الْجَمْعُ وَإِلَّا تُرِكَا إِلَى مَا دُونَهُمَا عَلَى التَّرْتِيبِ وَإِلَّا قُرِّرَتِ الْأُصُولُ:

ترجمہ:۔ اگر دو دلیلوں میں تعارض ہو جائے۔ اور پتہ لگ جائے کہ فلاں پیچھے ہے۔ تو پہلی کو منسوخ کہا جائے گا۔ اور اگر پتہ نہ لگے۔ تو ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکا۔ تو پھر موافقت کی جائے گی۔ اگر موافقت کی بھی کوئی صورت نہ ہو تو پھر دونوں کو چھوڑ کر کسی (اس سے) ادنیٰ دلیل کی طرف رجوع ہو گا مثلاً آیتوں میں تعارض ہو تو حدیثوں کی طرف۔ اگر حدیثوں میں ہو تو اقوالِ صحابہ کی طرف یا قیاس کی طرف

اور یہ بھی ناممکن ہو تو پھر اصولوں کو برقرار رکھا جائے گا یعنی شئ کی اصلی حالت پر حکم ہوگا۔ مثلاً اگر کسی شئ میں اصل طہارت ہو تو وہ طہارت پر رہے گی۔ اور اگر اصل نجاست ہے تو نجاست پر رہے گی۔"

تا اس اصول کے مطابق مولوی ارشاد احمد کا فرض تھا کہ پہلے رفعیدین کرنے اور نہ کرنے کی تاریخ بیان کرتے۔ پھر جو پیچھے ہوتی اس کو ناسخ کہتے۔ اور پہلی کو منسوخ، مگر مولوی ارشاد احمد نے ویسے ہی ٹرخا دیا۔ کیا علماء کا مسائل میں یہی طریقہ بیان ہونا چاہئے یا انا للہ . . . . . ؟

اصل بات یہ ہے کہ ایک امتی تقلید کے دائرہ میں رہ کر قرآن وحدیث پر پورا عمل ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ جب اَلْمُجْتَھِدُ یُخْطِئُ وَیُصِیْبُ کے تحت امام سے غلطی ہوگی وہاں تقلید چھوٹے گی یا حدیث۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مقلد کا عملی توازن قائم نہیں رہتا۔ جن وجوہ کی بنا پر ایک مسئلہ کو ایک جگہ ترجیح دیتا ہے انہی وجوہ کو دوسری جگہ نظر انداز کر دیتا ہے۔ مثلاً

حنفیہ کا مذہب ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت سے جب اٹھنے لگے۔ تو سیدھا کھڑا ہو جائے۔ بیٹھے نہیں۔ اور امام شافعیؒ اور اہلحدیث کہتے ہیں تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھے اور اس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ ہدایہ میں اس پر دلیل مالک بن حویرث کی حدیث پیش کی ہے۔ جو بخاری میں ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ یعنی بیٹھ کر اٹھے۔

اور حنفی مذہب کی دلیل ابوھریرۃؓ کی حدیث پیش کی ہے۔ جو ترمذی میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور ترمذی نے کہا۔ اس پر عمل ہے۔ اہل علم کے نزدیک۔"

ترمذی میں یہ بھی ہے کہ ابوہریرہ رض کی حدیث میں خالد بن ایاس راوی ضعیف ہے

اور فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۱۷ میں ابن القطان سے نقل کیا ہے کہ خالد بن ایاس کا استاد صالح مولی التوأمہ بھی ضعیف ہے اور ان دونوں کے ضعف کی وجہ حافظہ کا اختلاط ہے۔ یعنی ان کے حافظہ میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔

اب چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ مالک بن حویرث کی حدیث پر عمل ہوتا۔ کیونکہ وہ اعلےٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اور ابوہریرہؓ کی حدیث ترک کر دی جاتی۔ کیونکہ اس میں یکے بعد دیگرے دو راوی ضعیف ہیں۔ مگر مقلد حدیث کو تو الٹ پلٹ کر سکتا ہے۔ لیکن تقلید کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے مالک بن حویرث کی حدیث کے دو جواب دیئے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث بڑھاپے پر محمول ہے۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بڑے ہو گئے۔ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر اٹھتے۔ سو یہ سنت طریق نہیں۔ بلکہ ایک عذر کی وجہ سے ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ اس بیٹھنے کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔ جس کے معنے آرام کے ہیں۔ اور نماز آرام کے لئے نہیں۔ اور ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں کہا کہ ابوہریرہ کی حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ مگر ترمذی کا یہ کہنا کہ اس پر اہل علم کے نزدیک عمل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ جان ہے۔

پھر حضرت علیؓ سے حضرت عمرؓ سے، عبداللہ بن مسعودؓ سے، عبداللہ بن عمرؓ سے عبداللہ بن عباسؓ سے، عبداللہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے۔ پھر کہا ہے۔ کہ اتنے بڑے بڑے صحابہ جو مالک بن حویرثؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ صحبت یافتہ تھے۔ اور اتباع میں سخت تھے۔ ان کا عمل مالک بن حویرثؓ کی حدیث کے خلاف ہے۔ تو واجب ہے۔ کہ ان کے عمل کو مقدم کیا جائے۔ اور علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی عنایہ شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۱۷ میں لکھتے

ہیں۔ کہ مالک بن حویرث کی حدیث یا تو بڑھاپے پر محمول ہے یا یہ کہا جائے۔ کہ ابوہریرہؓ اور مالک بن حویرث کی حدیث میں تعارض آگیا ہے۔ اس لئے دونوں کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا جائے۔ اور قیاس اس کو چاہتا ہے کہ جلسہ استراحت نہ ہو۔ کیونکہ یہ آرام کے لئے ہے اور نماز آرام کے لئے نہیں۔

قارئین کرام یہ ہے تقلید کے شیدائیوں کا صحیح احادیث کے ساتھ سلوک اور یہ صرف اس لئے کہ تقلید کا بندھن نہ ٹوٹے۔ ورنہ صحیح حدیث کہیں ان کے مذہب کے موافق ہو جاتی۔ تو آپ دیکھتے کہ اس کو کتنا نمایاں کیا جاتا۔ اور فی الفور ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا۔ کہ ہماری حدیث صحیح ہے۔ اور فلاں کی حدیث ضعیف ہے۔ خواہ واقعہ میں وہ صحیح ہو

اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھنا ہو تو تخریج زیلعی جلد اول صفحہ ۳۵۶ وغیرہ میں بحث بسم اللہ بالجہر ملاحظہ ہو۔ ہم بھی آگے چل کر حنفیہ میں اس کا تھوڑا سا نمونہ پیش کریں گے۔ انشاء اللہ۔ ہمیں تو ہماری حدیث تمہاری حدیث (یہ تقسیم) کا لفظ ہی مکروہ معلوم دیتا ہے کیونکہ صحیح سب کی ہے اور ضعیف کسی کی بھی نہیں۔ کیونکہ مسلمان کی شان ہی اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ ہونی چاہیے جس کے یہ معنے ہیں ؎

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ ادائی ہو ادھر حکم پیغمبر ہو ادھر گردن جھکائی ہو

خیر اب سنئے کہ حنفیہ نے اس موقعہ پر کتنے اصول توڑے ہیں۔ اور دیانت کو بالائے طاق رکھ کر تعصب کا کس قدر مظاہرہ کیا ہے۔ ہم نمبروار عرض کئے دیتے ہیں۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو:۔

اوّل پنجوں کے بل اٹھنا یا بیٹھ کر اٹھنا اس میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ دس گیارہ صحابہ کا ذکر تو ابوحمید ساعدی رضؓ کی حدیث میں ہے جن سے جلسہ استراحت مروی ہے اور ابوہریرہ رضؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔ اور عمرؓ ان

سلمہ بھی جلسہ استراحت کرنے اور مالک بن حویرث رضہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی۔ تو اس میں جلسہ استراحت کیا۔ ملاحظہ ہو تخریج زیلعی جلد اول صفحہ ۳۸۸، ۳۸۹۔ پس جب صحابہ میں اختلاف ہوا۔ تو بحکم آیت کریمہ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ صحیح حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے نہ کہ ضعیف کی طرف؛

دوم - جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو طرح بیٹھنا ثابت ہو جائے۔ تو دونوں طرح عمل جائز ہے۔ جیسے تہجد گیارہ رکعت اور کم و بیش بھی آئی ہے۔ تو اس بناء پر اگر ابوہریرہ رضہ کی حدیث کی صحت ثابت بھی ہو جائے تو مالک بن حویرث رضہ کی حدیث کو بڑھاپے پر حمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ دونوں صورتیں (پنجوں پر اٹھنا اور بیٹھ کر اٹھنا) جائز ہونی چاہئیں؛

سوم - ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نماز خراب کر کے پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نماز صحیح سکھائی۔ یہ حدیث مُسِیئُ الصَّلٰوۃ (خراب کر کے نماز پڑھنے والے) کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو جلسہ استراحت کا بھی امر فرمایا۔ اب یہاں بڑھاپے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کی وجہ سے کرتے۔ تو اس اعرابی کو کیوں امر فرماتے۔ اسی وجہ سے سندھی حنفی نسائی کے حاشیہ میں مالک بن حویرث رضہ کی حدیث پر لکھتے ہیں:۔

ھذا الحدیث یدل علی	یعنی مالک بن حویرث کی حدیث
ثبوت جلسۃ الاستراحۃ و	جلسہ استراحت کے ثبوت پر دلالت
من لا یقول بھا حملھا علی انہ	کرتی ہے۔ اور جو اس کا قائل نہیں وہ
صلی اللہ علیہ وسلم فعلھا فی اٰخر عمرہ	کہتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
حین ثقل ولم یفعل قصدًا	نے اخیر عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے

والسنة ما فعله قصدا لا ما فعله بسبب آخر لكن أورد عليه قوله صلى الله عليه وسلم لمالك (ابن الحويرث) وأصحابه صلوا كما رأيتموني أصلي وأقل ذلك أن يكون مستحبا وأيضا قد جاء الأمر بها في حديث الأعرابي المسيئ صلوته والله تعالى أعلم

(حاشیہ نسائی سندھی ص ۱۵۵)

کیا تھا اور کرنیکا قصد نہیں کیا تھا۔ اور سنت وہ کام ہوتا ہے۔ جو قصداً ہو لیکن اس پر اعتراض ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حویرث اور اس کے ساتھیوں کو کہا تھا کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو۔ اسی طرح نماز پڑھو (اور مالک بن حویرث نے جلسہ استراحت کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ تو یہ بھی اس امر میں داخل ہو گیا۔ کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ اسی طرح پڑھو پس جب امر میں داخل ہو گیا۔ اور امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے۔ تو کم از کم مستحب تو ضرور ہونا چاہئے۔ نیز بعض روایتوں میں حدیث اعرابی میں صراحۃً امر بھی وارد ہوا ہے۔ تو اب اس کے مسنون ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔"

سندھی نے اس عبارت میں حنفیہ پر دو طرح سے رد کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ مالک بن حویرث جو جلسہ استراحت کی حدیث کے راوی ہیں۔ انہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ اسی طرح پڑھو۔ پس کم سے کم جلسہ استراحت مستحب ہونا چاہیے

دوم ایک اعرابی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز خراب کر کے پڑھی تھی۔ اس کو آپ نے جلسہ استراحت کا امر فرمایا ہے۔ تو یہ کہنا کہ آپؐ نے قصداً نہیں کیا۔ اس لئے سنت نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ سندھی کے حاشیہ کے بعد اسی حاشیہ میں لکھا ہے۔

هکذا قال صاحب بحر الرائق — یعنی جیسے سندھی نے کہا ہے ایسی طرح
دروایة الامر بھا فی الصحیحین — صاحب بحر الرائق نے بھی کہا ہے۔ اور
کما فی المشکوٰة — حدیث اعرابی کی جس میں جلسہ استراحت

کا امر ہے۔ وہ بخاری مسلم میں ہے جیسے کہ مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوۃ میں اسکو روایت کیا ہے۔

ناظرین خیال فرماویں۔ کہ مذہب کی پاسداری میں ہمارے بھائی احادیث کو کس طرح الٹ پلٹ کر رہے ہیں۔ پھر کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

چہارم۔ پھر لطف کی بات یہ ہے۔ کہ اسی مسیئی الصلوۃ (اعرابی) کی حدیث کے راوی خود ابوہریرہ رضہ ہیں۔ جن کی حدیث صاحب ہدایہ پیش کر رہے ہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے۔ کہ ترمذی والی ضعیف حدیث ابوہریرہؓ پر تو صاحب ہدایہ کی نظر پڑی اور بخاری مسلم والی اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ابوہریرہ رضہ سے صاحب ہدایہ کی نظر چوک گئی۔ اور ابن الہمام جو حنفی مذہب میں محدث مشہور ہیں۔ جن کے متعلق شامی (رد المحتار) جلد ۴ صفحہ ۳۸۰ میں لکھا ہے۔ کہ کمال ابن الہمام مرتبہ اجتہاد کو پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی اس کا نام تک نہیں لیا۔

پنجم۔ پھر جب موافق مذہب مسئلہ میں ضرورت ہوئی تو پھر یہی حدیث سامنے آ گئی۔ چنانچہ ہدایہ کے اسی مقام میں چند سطریں پہلے دو سجدوں کے درمیان جلسہ (بیٹھنے) پر صاحب ہدایہ نے اسی مسیئی الصلوۃ (اعرابی) کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ششم۔ پھر ابن الہمام اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ انہوں نے چند صحابہ کا بیٹھنے پر اٹھنے کا ذکر کر کے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ جلسہ استراحت کے راوی صرف مالک بن حویرث ہیں۔ حالانکہ مالک بن حویرث کے علاوہ اور بہت سے ہیں۔ جنمیں دس گیارہ تو ابوحمید ساعدی کی حدیث ہی میں ہیں۔ اور ابوہریرہ بھی ہیں۔ عمرو بن سلمہ بھی ہیں۔ اور پھر جن کا ذکر ابن الہمام نے کیا ہے۔ ان سے بعض کی سند بھی صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

تخریج ہدایہ زیلعی جلد اول صفحہ ۳۸۹ وغیرہ

یہ لوگ حنفی مذہب کے قابلِ احترام بزرگ ہیں جن پر حنفی مذہب کی بنیادیں قائم ہیں۔ جب ان کا احادیث نبویہ کے ساتھ یہ سلوک ہے۔ تو پھر مولوی ارشاد احمد الیسوں کے لیئے میدان بالکل صاف ہے آزادانہ طور پر جو چاہیں کریں "نا اسد وانا الیہ راجعون"

ہفتم۔ پھر صاحب ہدایہ نے ایک اور ڈبل غلطی کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ یہ بیٹھنا استراحت کے لیئے ہے۔ اور نماز استراحت کے لئے نہیں۔ اور صاحب عنایہ نے بھی یہی کہا ہے۔ گویا ان صاحبوں نے استراحت کے معنے تھکان سے آرام کے سمجھے ہیں۔ حالانکہ یہاں اطمینان مراد ہے۔ جو جلد بازی کے مقابلہ میں ہے۔ چنانچہ حدیث مسیئ الصلوۃ میں اس کی تصریح کی ہے۔ پھر استراحت کا لفظ کسی حدیث میں نہیں آیا۔ یہ متاخرین کی اصطلاح ہے۔ صاحب ہدایہ نے التزام کیا ہے۔ کہ ہر مسئلہ کی دو دلیلیں دیا کریں۔ ایک نقلی۔ ایک قیاس۔ یہاں نقلی تو ابوہریرہ کی ضعیف حدیث پیش کر دی۔ اور قیاس کے لئے متاخرین کی اصطلاح میں تصرف کیا۔ یعنی استراحت سے تھکان سے آرام سمجھا۔ حالانکہ متاخرین کی مراد اطمینان ہے۔ جو جلد بازی کے مقابلہ میں ہے۔ اور صاحب عنایہ نے یہ کمال کیا۔ کہ صحیح حدیث اور ضعیف حدیث میں تعارض پیدا کر کے اسی قیاسی دلیل پر مسئلہ کی بنیاد رکھدی۔ حالانکہ جب اپنی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اس وقت یہ اصول وضع کر دیا جاتا ہے۔ کہ:۔

مُقْتَضَى الْعِلْمِ اَنْ يُعَلَّلَ الْحَدِيْثُ الضَّعِيْفُ بِالْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ۔ (تخریج زیلعی جلد اول ص۳۴۰ تحت بسم اللہ بالجہر)

"یعنی علم اصول کا تقاضا یہ ہے کہ صحیح حدیث کی وجہ سے ضعیف حدیث کو معلول (مردود) قرار دیا جائے"

ہشتم۔ پھر تعارض میں دو ڈبل غلطیاں کیں۔ ایک یہ کہ تعارض تو دو صحیح دلیلوں میں

ہوتا ہے ضعیف کا صحیح سے تعارض یہ صاحب عنایہ کی خوش فہمی ہے ۔

نہم ۔ دوسرے یہ کہ جلسہ استراحت کی حدیث قولی ہے ۔ کیونکہ مالک بن حویرثؓ اور اس کے ساتھیوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا جس میں جلسہ استراحت کیا ۔ تو آپ نے ان کو فرمایا ۔

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ   یعنی جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو ۔

گویا اس میں جلسہ استراحت کا امر فرمایا ۔ اور مسیئی الصلوٰۃ کی حدیث میں بھی امر ہے اور پنجوں پر اٹھنے کی حدیث فعلی ہے ۔ اور یہ متفقہ مسئلہ ہے ۔ کہ قولی حدیث اور فعلی حدیث میں تعارض نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ۔ کہ فعل جواز پر محمول ہو اور قول استحباب پر ۔ چنانچہ نمبر سوم کے تحت ہم سندھی سے نقل کر چکے ہیں ۔

دہم ۔ یہ کہ حنفیہ رفع الیدین کو منسوخ کہتے ہیں ۔ یعنی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر عمر میں ترک کر دیا تھا چنانچہ مولوی ارشاد احمد نے یہی دعویٰ کیا ہے لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں دی ۔ دوسرے حنفیہ نے اس کی یہ دلیل دی ہے ۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے ترک ثابت ہے ۔ اور وہی رفعیدین کرنے کی حدیث کے راوی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر میں ترک کر دیا ۔ حالانکہ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے صحیح سند کے ساتھ ترک ثابت ہی نہیں ۔ اور اگر بالفرض کبھی ترک کیا ہو تو جواز کے لئے ترک ہو سکتا ہے ۔

چنانچہ مولانا عبدالحی حنفیؒ نے تعلیق الممجد کے صفحہ ۹۱ میں عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیث ذکر کر کے اس کی تصریح کی ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

کَذٰلِکَ ثَبَتَ التَّرْکُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاَصْحَابِہٖ بِاَسَانِیْدَ مُحْتَجَّۃٍ بِھَا فَاِذَنْ نَخْتَارُ اَنَّ الرَّفْعَ لَیْسَ بِسُنَّۃٍ مُؤَکَّدَۃٍ یُلَامُ

تَارِكُهَا إِلَّا أَنَّ ثُبُوتَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ وَأَرْجَحُ وَأَمَّا دَعْوَى نَسْخِهِ كَمَا صَدَرَ عَنِ الطَّحَاوِيِّ مُغْتَرًّا بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ التَّارِكِينَ وَابْنِ الْهُمَامِ وَالْعَيْنِيِّ وَغَيْرِهِمْ مِنْ أَصْحَابِنَا فَلَيْسَ بِمُبَرْهَنٍ عَلَيْهَا بِمَا يَشْفِي الْعَلِيلَ وَيُرْوِي الْغَلِيلَ (التعلیق الممجد صفحہ ۹۱)

ترجمہ: اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضؓ سے ان کے ساتھیوں سے قابلِ عمل روایتیں آئی ہیں لیکن اس وقت ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں کہ رفع یدین ایسی سنت مؤکدہ نہیں جس کا تارک قابلِ ملامت ہو۔ مگر ثبوت کو ترجیح ہے یعنی کرنے میں ثواب ہے۔ اور اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا جیسا کہ طحاوی، ابن الہمام اور عینی وغیرہ نے بعض صحابہ کے ترک کرنے کی وجہ سے ان پر حسنِ ظن رکھتے ہوئے کیا ہے۔ یہ دعویٰ مدلل نہیں جس سے طالبِ حق کی تشفی ہو اور پیاسے کی پیاس بجھے۔"

محدثِ ہند شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:-

وَالَّذِي يَرْفَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّنْ لَا يَرْفَعُ فَإِنَّ حَدِيثَ الرَّفْعِ أَكْثَرُ وَأَثْبَتُ (حجۃ اللہ البالغہ مصری صفحہ ۸)

ترجمہ: میں رفع یدین کرنے والے کو نہ کرنے والے کے مقابلہ میں زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ کیونکہ رفع یدین کرنے کی احادیث تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ اور قوت ثبوت میں نہایت اعلیٰ ہیں۔"

علامہ ابوالحسن حنفی سندھی فرماتے ہیں:-

وَأَمَّا مَنْ قَالَ إِنَّ ذَالِكَ الْحَدِيثَ نَاسِخٌ لِرَفْعٍ غَيْرِ تَكْبِيرَةِ الْافْتِتَاحِ فَهُوَ قَوْلٌ بِلَا دَلِيلٍ (حاشیہ سندھی ابن ماجہ صفحہ ۱۴۶ مصری)

ترجمہ: جس نے یہ کہا کہ ترک رفع یدین کی حدیث سے جس کے راوی عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ تکبیر تحریمہ کے سوا باقی جگہ رفع یدین منسوخ ہوگیا ہے اسکا کہنا بلا دلیل ہے بعض نے عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں (جاتے آتے) رفع یدین کرتے تھے۔

پھر چھوڑ دیا۔ صرف تکبیر تحریمہ میں رہ گیا۔ لیکن نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۹۲ میں اس کی تردید کرتے ہوئے امام ابن الجوزیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت بالکل غیر معروف ہے اور محفوظ ۔۔ ان دونوں صحابیوں سے رفع یدین کرنے کی روایت ہے۔ جیسے ابوداود نے اسں کو روایت کیا ہے (ابوداؤد جلد اول ص۱۱۵)

پھر رفع الیدین کی حدیث بہت صحابہ سے مروی ہے۔ جن میں وائل بن حجرؓ، مالک بن حویرثؓ اور ابوہریرہ اور ابوحمید اور ان کے ساتھ دس صحابہ اور بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ) بلکہ یہ حدیث تو حد تواتر تک پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ اس کا بیان آگے آتا ہے۔ تو اس قدر صحابہ کو بے خبر کہہ کر منسوخ ہونے کا حکم لگا دینا، یہ کس قدر جرأت ہے۔ پھر جو راوی جلسہ استراحت کے ہیں، تقریباً وہی راوی رفع الیدین کے ہیں۔ اور جلسہ استراحت اور رفع الیدین کو اکٹھا ذکر کرتے ہیں۔ تو اگر جلسہ استراحت اخیر عمر میں کیا تو رفع الیدین بھی آپؐ نے اخیر عمر میں کیا۔ تو پھر منسوخ کیسے ہوا؟۔

اور در حقیقت ہے بھی اخیر عمر میں۔ کیونکہ وائل بن حجر اور مالک بن حویرث ۹ھ میں اسلام لائے ہیں۔ اور وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں دوبارہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سردی میں آیا۔ لوگوں کو کپڑوں کے اندر رفع یدین کرتے دیکھا چنانچہ امام بخاریؒ نے جزء رفعیدین میں ذکر کیا ہے اور ابوداؤد وغیرہ باب رفع الیدین ص۱۱۱ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اور یہ یمن کے بادشاہوں سے ہیں۔ جن کا دارالخلافہ حضرموت ہے اور ظاہر ہے کہ اتنی دور سے موسم گرمی کے متصل سردی میں آنا مشکل

ہے۔ کیونکہ اس وقت سفر لوتنوں وغیرہ پر ہوتے تھے۔ بلکہ اگر اتنی جلدی آنے کا خیال ہو تو انسان جاتا ہی نہیں جب تک اس مقصد سے فارغ نہ ہولے جس کے لئے دوبارہ آنا ہے۔ پس کم سے کم دوسری سردی میں آئے۔ جو قریبا ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوتا ہے بلکہ نسائی شریف باب موضع الیدین عند الجلوس للتشہد الاول صفحہ ۱۱۵ میں یہ لفظ ہیں:۔ ثُمَّ اَتَیْتُھُمْ مِنْ قَابِلٍ۔ یعنی وائل بن حجرؓ کہتے ہیں۔ میں پھر آئندہ سال آیا۔ اور نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۰ میں بھی بحوالہ طحاوی شرح معانی الآثار میں آئندہ سال آنے کی تصریح کی ہے۔ پس دوبارہ آنا بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب پڑتی ہے۔ پس رفع یدین کو منسوخ کہنا بڑی غلطی ہے۔ اور اس کی تائید ایک صریح روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۴۰۹ میں ہے:۔

قَالَ الشَّیْخُ فِی الْاِمَامِ وَیُزِیْلُ ھٰذَا التَّوَھُّمَ یَعْنِیْ دَعْوَی النَّسْخِ مَا رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ سُنَنِہٖ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ فَمَا زَالَتْ تِلْکَ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی (نصب الرایہ جلد اول ص۴۰۹)

ترجمہ:۔ شیخ تقی الدین بن دقیق العید کتاب الامام میں فرماتے ہیں۔ کہ نسخ کے توہم کا ازالہ اس روایت سے ہوتا ہے۔ جو بیہقی رح نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو شروع کرتے وقت اور رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے اور سجدہ میں نہیں کرتے تھے پس ہمیشہ آپ کی یہی نماز رہی۔ یہاں تک کہ خدا کو جا ملے۔"

حافظ ابن حجر رح نے تلخیص الحبیر کے صفحہ ۸۱ اور درایہ فی تخریج احادیث الہدایہ کے

صفحہ ۸۵ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے ۔ اور اس پر سکوت کیا ہے ۔ البتہ مجلس علماء دیوبند نے اس کا ضعف بیان کیا ہے ۔ چنانچہ حاشیہ نصب الرایہ میں اس کی اسناد میں دو راوی ضعیف بتلائے ہیں ۔ ایک عقیمہ بن محمد بن فضالہ انصاری اور دوسرا عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ الھروی ۔ مگر دعویٰ نسخ بھی تو ایک توہم ہے ۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں ۔ اس لئے اس کی تردید کے لئے ایسی حدیث کا پیش کرنا کوئی حرج نہیں اس بناء پر شیخ ابن دقیق العید نے فرمایا ۔ کہ اس توہم (دعویٰ نسخ) کا اس روایت سے ازالہ ہوتا ہے ۔ اور صاحب نصب الرایہ علامہ زیلعی نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ اور اس بناء پر حافظ ابن حجرؒ نے بھی سکوت کیا ۔ اور مالک بن حویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کا اخیر میں اسلام لانا ۔ اور پھر وائل بن حجرؓ کا دوبارہ آنا اس سے مزید اس دعویٰ کی تردید ہو گئی ۔ اور معاملہ بالکل صاف ہو گیا ۔ مگر تقلید کے دائرہ میں اس کی اجازت ہے کہ ایک بے اصل دعویٰ کر کے رفع یدین کو پہلے کر دیا جاتا ہے ۔ اور جلسہ استراحت کو اخیر عمر میں ۔ انا للہ ط

تنبیہ : دعویٰ نسخ کی ابتداء علامہ طحاویؒ سے ہوئی ہے ۔ یہ پہلے شافعی تھے ۔ انکے استاد ان سے ناراض رہتے تھے ۔ پھر یہ حنفی ہو گئے ۔ حنفی مذہب کو ان سے بڑا سہارا ہوا ۔ اگر انصاف پر رہتے تو کوئی بات نہ تھی ۔ مگر انہوں نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے حنفی مذہب کی امداد کی جس سے بے لطفی سی پیدا ہو گئی ۔ بعض بعض موقعوں پر تو ان سے ایسی ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو پورے تعصب کا مظاہرہ ہے ۔

ہم یہاں پر بطور تمثیل دو ایک موقعے ذکر کرتے ہیں ۔ جن سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ علامہ طحاویؒ نے حنفی مذہب کی پاسداری میں بہت جگہ تعصب سے کام لیا ہے فتح الباری جلد اول صہ ۲۸۷ میں ہے :

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ مَا اَدْرَكْتُ الصَّفْقَةَ حَيًّا مَجْمُوعًا فَهُوَ

مِنَ الْمُبْتَاعِ یعنی جو جانور بیع کے وقت صحیح سلامت ہو۔ اسکی ذمہ داری خریدار پر ہے

فتح الباری میں اس پر لکھا ہے :-

قَالَ الطَّحَاوِيُّ ذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى أَنَّ الصَّفْقَةَ إِذَا أَدْرَكَتْ شَيْئًا حَيًّا فَهَلَكَ بَعْدَ ذَلِكَ عِنْدَ الْبَائِعِ فَهُوَ مِنْ ضَمَانِ الْمُشْتَرِي فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ كَانَ يَرَى أَنَّ الْبَيْعَ يَتِمُّ بِالْأَقْوَالِ قَبْلَ الْفُرْقَةِ بِالْأَبْدَانِ وَالْمَنْقُولُ عَنْهُ هُنَا يَحْتَمِلُ فِي مُعَارَضَةِ أَمْرٍ مُصَرَّحٍ بِهِ فَابْنُ عُمَرَ قَدْ تَقَدَّمَ عَنْهُ التَّصْرِيحُ بِأَنَّهُ كَانَ يَرَى الْفُرْقَةَ بِالْأَبْدَانِ وَالْمَنْقُولُ هُنَا يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ التَّفَرُّقِ بِالْأَبْدَانِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ بَعْدَهُ فَحَمْلُهُ عَلَى مَا بَعْدَهُ أَوْلَى جَمْعًا بَيْنَ حَدِيثَيْهِ (فتح الباری مصری جلد ۴ صفحہ ۲۸۰)

ترجمہ طحاوی کہتے ہیں ابن عمرؓ کا مذہب ہے جب ایک جانور کی بیع ہو۔ اور وہ اس وقت صحیح سلامت ہو (مشتری کے حوالہ کرنے سے پہلے بائع کے پاس مر جائے تو اس کا ذمہ دار خریدار ہوگا یعنی وہ خریدار کا مرا ہوا سمجھا جائے گا۔ اور اس کی قیمت خریدار کے ذمہ ہوگی۔ جو بائع کو ادا کرے گا .... (طحاوی کہتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا۔ کہ ابن عمرؓ کے نزدیک بیع جسموں کی جدائی سے پہلے اقوال کے ساتھ پوری ہو جاتی ہے۔ (حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔)

ابن عمرؓ سے جو یہاں نقل ہوا ہے۔ یہ صرف احتمال ہے۔ اور اس سے

پہلے صراحتاً ابن عمرؓ سے گذرچکا ہے کہ بیع کے پورا ہونے کے لئے جسموں کی جدائی ضروری ہے۔ اور یہاں احتمال ہے۔ کہ جسموں کی جدائی سے پہلے جو شئی ہلاک ہو جائے۔ اس کے متعلق عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اس کی ذمہ داری خریدار پر ہے

تشریح:۔ اس عبارت کے سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تمہید سن لیں۔ اہلحدیث میں اور حنفیہ میں اختلاف ہے۔ کہ جب دو شخص بیع کریں۔ مثلاً ایک نے کہا۔ میں نے یہ چیز فروخت کر دی۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ میں نے خرید لی۔ تو کیا اتنے سے بیع مکمل ہو گئی۔؟ یا جب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں، تب مکمل ہو گی؟ حنفیہ کہتے ہیں۔ مکمل ہو گئی۔ کسی کو رجوع کا حق حاصل نہیں۔ اہلحدیث بلکہ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ جب تک وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اس وقت تک ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ بیع سے رجوع کر لے۔ جب ان سے ایک اٹھ کر چلا جائے پھر بیع پختہ ہو گئی۔ کسی کو رجوع کا حق نہیں۔ پہلے کا نام فرقت بالاقوال ہے (یعنی ایجاب قبول سے فارغ ہونا) دوسرے کا نام فرقت بالابدان ہے۔ (یعنی جسموں کیساتھ جدائی) طحاوی رحمہ اللہ چونکہ حنفی ہیں۔ اس لئے وہ ابن عمرؓ کے قول سے فرقت بالاقوال ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ابن عمرؓ کا قول مذکورہ بالا کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب کسی جانور کی بیع ہو جائے۔ اور بائع کے پاس ہلاک ہو جائے۔ تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہے نہ کہ بائع پر۔ طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بیع قول کے ساتھ پوری ہو گئی۔ اس لئے ذمہ داری خریدار پر ہے۔ حافظ ابن حجر اس کا جواب دیتے ہیں۔ ابن عمرؓ کے اس قول میں یہ تصریح نہیں۔ کہ ان کے اٹھنے کے بعد ہلاک ہو یا اٹھنے سے پہلے احتمال ہے۔ کہ ابن عمرؓ کی مراد اٹھنے کے بعد ہلاک ہونا مراد ہو۔ اور ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ ابن عمرؓ سے پہلے صراحتہ گذر چکا ہے۔ کہ فرقت بالابدان کے بعد بیع پوری ہوتی ہے طحاوی رحمہ اللہ نے مذہبی پاسداری میں صراحت کو چھوڑ دیا۔ اور احتمال کو لیا۔ حالانکہ انصاف

سے یہ بہت بعید ہے۔ کہ صراحت کے مقابلہ میں احتمال کو ترجیح دی جائے۔ طحاویؒ جیسے شخص سے ایسا ہونا نہایت انوکھی بات ہے۔ لیکن مذہب کی پاسداری سب کچھ کرا لیتی ہے۔

اس کے علاوہ اور سنیئے :-

تین وتروں میں اختلاف ہے کہ کس طرح پڑھے۔ حنفیہ کہتے ہیں۔ دو رکعت پر التحیات بیٹھے۔ مگر سلام نہ پھیرے۔ اہل حدیث کہتے ہیں التحیات نہ بیٹھے۔ اگر بیٹھے تو سلام پھیر دے۔ اور ایک رکعت اکیلی پڑھے۔

تخریج ہدایہ ابن حجر صفحہ ۱۱۴ میں ہے :-

وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ مِنْ طَرِيقِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمَخْزُومِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ فَأَمَرَهُ بِثَلَاثٍ يَفْصِلُ بَيْنَ شَفْعِهٖ بِتَسْلِيمَةٍ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَقُولُوا هِيَ الْبُتَيْرَاءُ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ هٰذِهٖ سُنَّةُ اللهِ وَرَسُولِهٖ

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے وتر سے سوال کیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو تین (وتر اس طریق پر پڑھنے) کا امر فرمایا۔ کہ دو اور ایک میں سلام پھیر لیا کرے۔ سائل نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ لوگ کہیں اس اکیلی رکعت کو بُتیراء (دُم کٹی) نہ کہیں۔ اس پر عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ یہ خدا رسول کی سنت ہے

یہ حدیث اس بارے میں صاف ہے کہ اخیر کی رکعت اکیلی پڑھے۔ اور یہ خدا رسول کی سنت ہے۔

اس کا جواب جو کچھ طحاویؒ نے دیا ہے۔ وہ سننے کے قابل ہے۔ حافظ ابن حجرؒ طحاویؒ کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کرکے فرماتے ہیں :-

قَالَ الطَّحَاوِيُّ سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ هٰذَا مِنَ الرَّجُلِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ يَعْنِيْ تَفْسِيْرَ الْبُتَيْرَاءِ

طحاوی کہتے ہیں۔ کہ ابن عمرؓ نے سائل سے سنا کہ وہ اکیلی رکعت کو بُتیرا (دُم کٹی) کہہ رہا ہے اور اس پر انکار نہیں کیا۔ یعنی بتیراء کی تفسیر اکیلی رکعت ہے۔ اور بتیراء چونکہ منع ہے اس لئے اکیلی رکعت نہ پڑھنی چاہئے۔"

حافظ ابن حجرؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

قُلْتُ هٰذَا مِنْ أَعْجَبِ الْعَجَبِ يُحْتَجُّ بِابْنِ عُمَرَ فِيْ تَفْسِيْرِ الْبُتَيْرَاءِ وَيُتْرَكُ مَا نَصَّ مَا أَمَرَ بِهِ ابْنُ عُمَرَ مِنَ الْفَصْلِ وَشَهَادَتِهِ أَنَّهَا سُنَّةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ بتیرا کی تفسیر میں تو ابن عمرؓ سے حجت پکڑی جاتی ہے۔ اور دو رکعت اور ایک رکعت میں فاصلہ کی جو ابن عمرؓ نے صراحت کی ہے۔ اور اسکی بابت خدا اور رسول کی سنت ہونے کی شہادت دی ہے۔ اس کو ترک کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بتیراء کی تفسیر ابن عمرؓ کے نزدیک اکیلی رکعت ہو۔ تو یہ وتروں کے علاوہ ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ کا وتروں میں فاصلہ کا حکم دینا۔ اور اس کو سنت رسول خدا کہنا یہ صاف انکار ہے۔ کہ اکیلی رکعت وتر بتیراء نہیں مگر طحاوی نے عبداللہ بن عمرؓ کے وتروں کے علاوہ انکار نہ کرنے سے یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ اکیلی رکعت وتر بھی بتیراء ہے۔

قارئین کرام علامہ طحاوی کی سینہ زوری ملاحظہ فرمادیں وتروں کے علاوہ انکار نہ کرنا وہ بے لفظوں میں سکوت ہے۔ کوئی شخص سکوت سے فائدہ اٹھائے اور صراحت کو ترک کردے۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی۔ اور پھر وتروں کے

علاوہ اکیلی رکعت کے بتیراء ہونے پر شاید اس لئے انکار نہ کیا ہو۔ کہ اس کو وہ بتیراء سمجھتے ہوں۔ برخلاف اکیلی رکعت وتر کے۔ اس لئے سائل نے جب وتر کی رکعت کو بتیراء کہا۔ تو اس پر عبداللہ بن عمرؓ نے خدا رسول کی سنت کہکر انکار کر دیا۔

اور اگر فرضی طور پر مان لیں کہ عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک اکیلی رکعت مطلقاً بتیراء ہے۔ خواہ وتروں میں ہو تو یہ تفسیر عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہو گا۔ نہ کہ خدا رسول کا ارشاد کیونکہ وتر کی ایک رکعت کو ابن عمرؓ خدا رسول کی سنت فرما رہے ہیں۔ تو امتی اور خدا رسول کا کیا مقابلہ؟ ہاں وتر کے سوا اکیلی رکعت بتیراء ہو سکتی ہے۔ بلکہ نماز خوف میں بھی ایک رکعت آئی ہے وہ بھی بتیراء سے خارج ہو گی۔

اور اصل بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک بتیراء کی تفسیر اکیلی رکعت نہیں بلکہ ان کے نزدیک بتیراء کی تفسیر رکوع سجود میں نقصان ہے۔ یعنی رکوع سجود اچھی طرح نہ کرنا چنانچہ اسی مقام میں چند سطور پہلے حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ ابن الجوزیؒ ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ اور اگر اکیلی رکعت بھی ان کے نزدیک بتیراء ہو تو اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملانی ضروری ہو۔ اور نہ ملائی جائے۔ جیسے وتر یا نماز خوف کے سوا کوئی ایک نفل پڑھے۔ اور وتر اور نماز خوف میں چونکہ دوسری رکعت ملانی ضروری نہیں۔ اس لئے وہ بتیراء نہیں ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ بتیراء کی تفسیر مطلقاً اکیلی رکعت نہیں بلکہ وہ اکیلی رکعت ہے جس کے ساتھ دوسری رکعت ملانی ضروری ہو اور نہ ملائی جائے۔ اور پھر بتیراء سے نہی کی حدیث بھی ضعیف ہے۔ اس میں عثمان بن محمد بن ربیعہ راوی ضعیف ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اس مقام میں اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ طحاویؒ نے خواہ مخواہ ایک گورکھ دھندا پیدا کر دیا ہے۔ اور بعد کے مقلدین کو پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ اسی قسم کا رفع یدین کے متعلق دعوی نسخ ہے۔ اس کی بھی داغ بیل ڈال کر علامہ طحاوی نے بعد والوں کو خوب پریشان کیا۔ اور اسی سے عوام میں یہ بھی مشہور

ہوگیا۔ کہ کافر یا منافق بغلوں میں بت رکھ لیتے۔ اس لئے رفع یدین کا حکم ہوا۔ جب اسلام نے زور پکڑا تو منسوخ ہوگیا۔ گویا گھر بیٹھے قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ اور احکام شرعیہ کو مخول بنا رکھا ہے۔ انا للہ۔

حدیث عبداللہ بن مسعود کی مزید وضاحت فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول ص۲۱۹ اور امام اوزاعی رح اور امام ابوحنیفہ کا مناظرہ میں اور عنایہ شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۱۸ میں اور مبسوط سرخسی جلد اول صفحہ ۴ میں امام ابوحنیفہ رح اور امام اوزاعی رح کا مناظرہ ذکر کیا ہے۔ اس کی سند کسی نے ذکر نہیں کی۔ فتح القدیر میں صرف اتنا کیا ہے۔ حکاہ ابن عیینۃ۔ یعنی ابن عیینہ نے اس کی حکایت نقل کی ہے۔ مگر ابن عیینہ سے اس کی سند ذکر نہیں کی۔ ہاں مسند امام ابوحنیفہ میں جو خوارزمی کی تصنیف ہے۔ اس میں اس کی اسناد یوں ذکر کی ہے:۔

اَخْرَجَہٗ اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْبُخَارِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاہِیْمَ بْنِ زِیَادٍ الرَّازِیِّ عَنْ سُلَیْمَانَ الشَّاذَکُوْنِیِّ قَالَ سَمِعْتُ سُفْیَانَ بْنَ عُیَیْنَۃَ یَقُوْلُ اِجْتَمَعَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ وَالْاَوْزَاعِیُّ

اس اسناد میں سفیان بن عیینہ رح سے پہلے تین راوی ہیں تینوں پر سخت جرح ہے۔ پہلا ابو محمد بخاری ہے۔ اس کا نام عبداللہ بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری ہے۔ اور اس کو سب حنفی بھی لکھتے ہیں۔ جواہر المضیئہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہے جو حیدرآباد میں دو جلدوں میں چھپی ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ وَکَانَ غَیْرَ ثِقَۃٍ وَلَہٗ مَنَاکِیْرُ یعنی یہ معتبر آدمی نہیں۔ اور یہ منکر ضعیف حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اور میزان الاعتدال میں امام ذہبی رح لکھتے ہیں۔ یُتَّھَمُ بِوَضْعِ الْحَدِیْثِ۔ یعنی جھوٹی حدیثیں بنانے کے ساتھ بدنام ہے۔ اور میزان الاعتدال میں امام سلمانی رح سے نقل کیا ہے۔ کہ اس کی عادت ہے کہ اسناد کسی حدیث کی ہوتی ہے۔ اور لگا دیتا ہے کسی حدیث کے

ساتھ۔ پھر فرماتے ہیں۔ وَھٰذَا اَضْرَبُ مِنَ الْوَضْعِ ۔ یعنی یہ بھی جھوٹی حدیثیں بنانے کی ایک قسم ہے۔ اور محمد طاہر حنفی صاحب مجمع البحار بھی قانون الموضوعات میں اسی طرح لکھتے ہیں۔ کہ یہ جھوٹی حدیثیں بنانے کے ساتھ بدنام ہے۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں۔ لَا یُحْتَجُّ بِہٖ ۔ یعنی اس کی روایت استدلال کے قابل نہیں۔ اور امام سمعانی کتاب الانساب میں فرماتے ہیں۔ لَمْ یَکُنْ مَوْثُوْقًا بِہٖ فِیْ مَا یَنْقُلُہٗ یعنی اس کی نقل کا اعتبار نہیں۔

دوسرا راوی محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی ہے۔ میزان الاعتدال ذہبیؒ میں ہے ضَعَّفَہٗ ابو احمد الحاکم، قال الدار قطنی متروک (ترجمہ) حاکم نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور دارقطنی نے کہا ہے۔ محدثین نے اسے ترک کردیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں دارقطنی سے نقل کیا ہے۔ رَجُلٌ یَضَعُ الْحَدِیْثَ یہ شخص جھوٹی حدیثیں بناتا ہے۔

تیسرا راوی سلیمان شاذکونی ہے۔ اسماء الرجال طحاویؒ مطبوعہ اہل دیوبند صفحہ ۴۳ میں ہے۔ قَدِ اجْتَمَعَ النُّقَّادُ الْجِیَادُ عَلَی الْجَرْحِ فِیْہِ بِالْکِذْبِ وَ الْوَضْعِ (ترجمہ) جرح تعدیل کے ماہر محدثین کا اتفاق ہے۔ کہ یہ جھوٹا ہے۔ اور جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ اور جواہر المنیفہ میں ہے۔ وَاہٍ ۔ یعنی یہ بالکل ردی ہے

خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رحہ اور امام اوزاعی رحہ کا مناظرہ بالکل جھوٹا قصہ ہے۔ مگر باوجود اس کے بہت حنفیہ عدم رفع یدین میں اس کا سہارا لیتے ہیں۔ بلکہ بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور اس بات کا مطلقاً خیال نہیں کرتے۔ کہ ایسی جھوٹی باتیں پیش کر کے کل خدا کو کیا جواب دیں گے۔ اِنَّا للہ.....،

خیر ہمارا مقصد یہاں مسئلہ رفع الیدین کی وضاحت اور حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی تحقیق ہے۔ اس لئے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جو دلیل ذکر کی گئی ہے۔ وہ حنفیہ

اصولی مسئلہ ہے خواہ امام ابوحنیفہ رحمہ سے صحیح روایت ہو یا نہ۔ اب مناظرہ سنیئے۔

امام اوزاعیؒ :۔ آپ لوگ رفع یدین کیوں نہیں کرتے ؟

امام ابوحنیفہؒ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

امام اوزاعیؒ :۔ میرے پاس ثبوت ہے۔ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ۔ یعنی زہریؒ نے سالمؒ سے اس نے اپنے باپ (عبداللہ بن عمرؓ) سے۔ مجھے حدیث سنائی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے۔

امام ابوحنیفہؒ :۔ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَعُودُ لِشَيْءٍ مِنْ ذَالِكَ۔ یعنی ہمیں حماد بن ابی سلیمان نے ابراہیم نخعی سے اس نے علقمہ اور اسود سے ان دونوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھائے۔ پھر اس سے کسی شئے کے لئے نہیں لوٹے

امام اوزاعیؒ :۔ امام ابوحنیفہ پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میں ان کو زہری سالم سے حدیث سناتا ہوں۔ وہ مجھے حمّاد ابراہیم سے حدیث سناتے ہیں۔ کہاں وہ کہاں یہ۔ اس میں تین واسطے ہیں۔ زہریؒ، سالمؒ، ابن عمرؓ۔ اور اس میں چار ہیں۔ حمّادؒ ابراہیمؒ علقمہؒ عبداللہ بن مسعودؓ۔ اور اسناد عالی (کم واسطوں والی) اسناد سافل (زیادہ واسطوں والی) پر مقدم ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ :۔ حماد زہری سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ اور ابراہیم سالم سے اور علقمہ

ابن عمر سے کم نہیں۔ ہاں ان کو صحابی ہونے کی فضیلت ہے۔ اور اسود کو بھی بہت فضیلت ہے۔ اور عبداللہ (بن مسعودؓ) تو عبد اللہ (بن مسعودؓ) ہی ہیں۔

اس کے بعد صاحب عنایہ لکھتے ہیں۔ کہ امام ابوحنیفہ رح صاحب نے فقاہت کے ساتھ اپنی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اور صاحب فتح القدیر کہتے ہیں۔ وَ هُوَ الْمَذْهَبُ الْمَنْصُوْرُ عِنْدَنَا یعنی ہمارے نزدیک فقاہت کے ساتھ ترجیح دینا ہی مذہب

اس مناظرہ میں کئی شبہات ہیں :-

اوّل یہ کہ ان دونوں حدیثوں کے راوی فقیہہ ہیں (ملاحظہ ہو تقریب التہذیب) اور خلاصہ تذہیب الکمال وغیرہ) اور حنفیہ کا اصول ہے کہ فقیہ کو غیر فقیہہ پر ترجیح ہے نہ کہ فقیہہ کو فقیہہ پر۔ ملاحظہ ہو کتب اصول حنفیہ۔ پس اس مناظرہ کی بنیاد ہی غلط ہے۔

اس کے علاوہ اگر فقیہہ کی حدیث کو فقیہہ کی حدیث پر ترجیح ہو تو اس سے لازم آئیگا کہ ہر ایک مذہب والا اپنے اماموں کی احادیث مانے کیونکہ ہر ایک کے خیال میں انکا اپنا امام ہی زیادہ فقیہہ ہے۔ تو اس سے ایک بڑی نزاع کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حالانکہ اصول نزاع کو مٹانے کے لئے ہوتے ہیں۔ نہ کہ پیدا کرنے کے لئے۔

دوم۔ زہری، سالم، ابن عمرؓ اصح الاسانید ہے۔ یعنی سب سندوں سے زیادہ صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نخبہ اور رسالہ امیر علی حنفی التہذیب للتقریب ملحقہ تقریب التہذیب صفحہ ۵۔ تو پھر دوسری حدیث کو پہلی حدیث پر کس طرح ترجیح ہو سکتی ہے؟

سوم۔ جیسے ائمہ اربعہ چار فقہاء مشہور ہیں۔ اسی طرح تابعین میں فقہاء سبعہ یعنی سات فقیہہ مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک سالم ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں ابراہیم تو کجا علقمہ بھی کچھ نہیں۔ چہ جائیکہ ابن عمرؓ کے برابر ہو یا زیادہ۔ بلکہ عبداللہ بن عمرؓ کو قریباً عبداللہ بن مسعودؓ کے مرتبہ پر رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ جلیل القدر صحابی ہیں۔

چہارم۔ آمین کے مسئلہ میں حنفیہ نے سفیان ثوری کی روایت پر شعبہ کی حدیث

ترجیح دی ہے۔ حالانکہ سفیان بڑے فقیہہ ہیں چنانچہ آمین کے مسئلہ میں یہ گذر چکا ہے۔

پنجم:۔ یہ امر مسلم ہے کہ جس کا شغل کسی شئے کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کو مہارت بھی اس میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے حماد زہری کا عشر عشیر بھی نہیں۔

ششم:۔ پہلی حدیث اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری میں ہے۔ اور مسلم میں اور دوسری حدیث کا ان کتابوں میں نام ونشان تک نہیں۔ صرف اس قصہ مناظرہ میں پائی گئی ہے جس کی حقیقت اوپر واضح ہو چکی ہے۔ کہ اس کی اسناد میں تین راوی سخت ضعیف اور جھوٹی حدیثیں بنانے کے ساتھ بدنام ہیں۔ پس یہ حدیث بھی جھوٹی ہو گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ تقلید کے دائرہ میں علم حدیث کی کمی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہؒ صاحب نے انصاف وغیرہ میں لکھا ہے کما مر۔

اور اسی وجہ سے ان کو قیاس ورائے سے کام لینا پڑا۔ اور اس کا نام فقاہت رکھ کر راجح کو مرجوح بنانا شروع کر دیا۔ ورنہ حدیث کی فقاہت جو کچھ محدثین کو ہے وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ رسالہ مودودیت اور احادیث نبویہ میں ص۱۰۵ سے ص۱۱۱ تک ہم نے اس کی کچھ وضاحت کی ہے۔

محدثین کا طریق عمل: محدثین نے قطع نظر اس سے کہ کسی کی فقاہت کی کمی بیشی میں بحث کریں۔ رفع یدین کے متعلق روایات کی اتنی بھرمار کر دی۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث قریب قریب تواتر تک پہنچا دی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۲ ص[illegible] میں لکھا ہے۔ کہ پچاس صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے (جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں) اور امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ الازہار المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ میں اس حدیث کو متواتر احادیث میں شمار کیا ہے۔ اور مولانا عبدالحئی لکھنوی مرحوم نے بھی تعلیق الممجد ص۸۹ اور فوائد البہیہ کے ص۵ میں اس کو متواتر لکھا ہے۔ اور دوسرا کام محدثین نے یہ کیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے راوی دیکھیے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک تو وہ حدیث

ہے۔ جو مناظرہ میں ذکر ہوئی ہے۔ اس کے راوی جھوٹ کے ساتھ بدنام ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ حدیث بھی جھوٹی ہوگئی ہے۔ دوسری حدیث وہ ہے جو مولوی ارشاد احمد کے سوال میں ذکر ہو چکی ہے۔ اس کے راوی دیکھے تو معلوم ہوا کہ علقمہ کے دو شاگرد ہیں ایک ابراہیم نخعی اور ایک عبدالرحمٰن بن اسود۔ ابراہیم کے شاگرد حماد بن سلیمان ہیں۔ اور حماد کا شاگرد محمد بن جابر ہے۔ جو بہت ہی ضعیف ہے۔ بلکہ امام ابن الجوزی ؒ نے اس روایت کو موضوعات میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو تلخیص الحبیر حافظ ابن حجر رح) پس یہ روایت تو استدلال کے قابل نہ رہی۔

اور عبدالرحمٰن بن اسود کے شاگرد عاصم بن کلیب ہیں۔ ان کے شاگردوں میں اختلاف ہے۔ ایک سفیان ثوری ؒ وہ کہتے ہیں۔ (پہلی دفعہ کے بعد) پھر ہاتھ نہیں اٹھائے۔ اور باقی شاگرد یہ نہیں کہتے۔ کہ دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔ بلکہ وہ سب یوں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز سکھائی۔ پس تکبیر کہہ کر نماز شروع کی۔ اور ہاتھ اٹھائے۔ پھر رکوع کیا اور دونوں ہاتھ ملا کر ان کی انگلیاں ایک دوسری میں داخل کر کے یعنی کر نگی بنا کر دونوں گھٹنوں کے درمیان ہاتھ رکھ لئے الخ۔ اس کو تطبیق کہتے ہیں پہلے یہی حکم تھا۔ پھر دونوں ہاتھ الگ الگ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم ہوا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ رکوع میں تطبیق کرتے۔ بعض لوگ تو ایسے موقعہ پر گھبرا جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں چھوڑو میاں اختلاف کو جب بڑوں سے اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ تو تم کیا کرو گے۔ حالانکہ بڑوں نے سب کچھ کیا ہوتا ہے۔ مگر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ گھبراہٹ میں تو ذہن میں آئی ہوئی بات بھی نکل جاتی ہے۔ جب تک تحقیق کا شوق نہ ہو۔ اور ٹھنڈے دل سے انسان نہ سوچے۔ خدا کی طرف سے نہ تو توفیق ہی ملتی ہے اور نہ ہی حق کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو دنیوی معاملات میں اگر کوئی ایسا

موقعہ پیش آجائے تو بال کی کھال اتار دیتے ہیں۔ مگر وہیں میں ذرا سا اختلاف دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔ پھر بانو لکیر کے فقیر بنے رہتے ہیں۔ یا خواہش کے بندے بنکر نفس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اور بعض اس قسم کا اختلاف دیکھ کر سرے سے احادیث ہی سے منکر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اختلافات تو قرآن مجید کے معانی و مطالب میں بھی ہیں۔ تو اگر کسی جگہ اختلاف ہونے سے ساری شئی بیکار ہو جاتی ہے۔ تو قرآن مجید بھی ہاتھ سے گیا۔

نہیں نہیں اختلافات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ خدا نے انسان کے اندر تحقیق کا مادہ بھی رکھا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ ایسے موقعہ پر اس سے کام لے۔ اول تو اس پر سو فیصدی حق کا انکشاف ہو جائے گا۔ اور اگر بتقاضائے بشریت کبھی غلطی پر رہا۔ تو بحکم حدیث لَہٗ اَجْرٌ ایک اجر تو اس کو ضرور مل جائے گا۔ ائمہ دین اور بڑے بزرگوں میں یہی توخوبی تھی۔ کہ وہ اندھی تقلید چھوڑ کر اور تعصب سے بالاتر ہو کر روایت کو روایت کے طریقہ سے اور درایت کو درایت کے طریقہ سے حل کرتے تھے۔ یعنی عقلی بات کو عقل سے سوچتے۔ اور نقلی بات کو اس کے راویوں سے پرکھتے جیسے موسے علیہ السلام نے شہر مَدْیَن سے واپسی کے وقت راستہ میں دور سے آگ دیکھی تو خیال کیا۔ کہ یہاں کوئی ضرور ہوگا۔ اس سے راستہ پوچھیں گے۔ یا آگ ہی سینکنے کے لئے مل جائے گی جب آئے تو حقیقی راستہ مل گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بعثت (پیغمبری) سے مشرف ہوئے۔ اور ابوبکرؓ کو کہا کہ میں اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ تو چونکہ آپ کی ساری ہسٹری (زندگی) ابوبکرؓ کے سامنے تھی۔ اس لئے فوراً سمجھ لیا کہ اس منہ سے جھوٹ نہیں نکل سکتا۔ اور اسی وقت یہ کہہ کر کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں مسلمان ہو گئے۔ اور کفار کی طرح یہ جواب نہیں دیا۔ کہ بشر رسول کس طرح ہو سکتا ہے۔ سو مسئلہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسی طرح

ہے اس کو سمجھنا چاہیئے۔ جو اس کا حق ہے :۔

اب سنئے محدثین نے اس اختلاف کو کس طرح حل کیا؟

امام ابو حاتم کہتے ہیں۔ کہ عاصم بن کلیب کے شاگرد سفیان نے جو رکوع میں ہاتھ نہ اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان کا وہم ہے۔ کیونکہ عاصم سے ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ کسی نے ثُمَّ لَمْ يَعُدْ نہیں کہا۔ یعنی ہاتھ اٹھانے کی نفی نہیں کی۔ بلکہ سب نے تطبیق کا ذکر کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جماعت کے مقابلہ میں اکیلے کی نہیں مانی جاتی۔

اس کے علاوہ امام احمدؒ اپنے استاد یحییٰ بن آدم سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں یہ حدیث عاصم بن کلیب سے دیکھی۔ اس میں ہاتھ اٹھانے کی نفی نہ تھی۔ بلکہ تطبیق کا ذکر تھا۔ امام بخاری جزء رفع یدین میں اس کا ذکر کرکے لکھتے ہیں۔ کہ کتاب پر اہل علم کا زیادہ اعتماد ہوتا ہے۔ اس لئے ترجیح اسی کو ہے۔ جو کتاب میں ہے۔ امام ابو حاتمؒ اور امام احمدؒ اور ان کے استاد یحییٰ بن آدمؒ اور امام بخاریؒ کے علاوہ امام ابو داؤدؒ، امام دارقطنیؒ اور امام ابن القطانؒ اور دیگر بڑے بڑے محدثینؒ سب اس کلمہ (لَمْ يَعُدْ) دوبارہ ہاتھ اٹھانے کی نفی کو وہم کہتے ہیں۔ صرف اتنا اختلاف ہے۔ کہ یہ وہم کس کا ہے۔ ابو حاتمؒ نے تصریح کر دی ہے کہ سفیان کا وہم ہے اور علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۹۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ امام بخاریؒ کا عبداللہ بن ادریس کی روایت کو ترجیح دینا اور یہ کہنا کہ کتاب زیادہ معتبر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی سفیان ثوری کا وہم سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن ادریسؒ کے مقابلہ میں سفیان ہی ہے۔ یہ دونوں (سفیانؒ اور عبداللہ بن ادریسؒ) عاصم بن کلیبؒ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح امام احمدؒ اور یحییٰ بن آدمؒ کو سمجھ لینا چاہیئے کیونکہ عبداللہ بن ادریسؒ کی کتاب میں دیکھنے کا ذکر انہوں نے ہی کیا ہے اور ابو داؤدؒ اور ابن القطان وغیرہ نے

اس وہم کو سفیان ثوری کے شاگرد (وکیع) کی طرف نسبت کیا ہے اور اس اختلاف کو دیکھ کر علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ تخریج ہدایہ میں یہ کہہ دیا ہے۔ کہ اس اختلاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں قول ساقط ہو جائیں۔ اور اصل کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ صحت حدیث ہے کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مگر علامہ زیلعیؒ نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر محدثین کے قول کو چھوڑ دیا جائے تو راویوں کے اختلاف کو کیا کیا جائے۔ کوئی لَمْ یَعُدْ کہتا ہے کوئی اس کی جگہ تطبیق کا ذکر کرتا ہے۔ اگر اختلاف کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں گر جائیں تو پھر نہ لَمْ یَعُدْ رہا اور نہ ہی تطبیق رہی۔ چلو قصہ ہی ختم نہ بانس رہے اور نہ بجے بانسری۔ تو پھر عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے ترک رفعیدین پر کیوں استدلال کیا جاتا ہے۔ پھر اختلاف کا تقاضا ہمیشہ اسقاط نہیں۔ بلکہ ترجیح کے اسباب بھی دیکھنے پڑتے ہیں۔ اور یہاں ترجیح کے اسباب موجود ہیں۔ وہ یہ کہ سفیان ثوریؒ سے جیسے وکیع نے لَمْ یَعُدْ روایت کیا ہے۔ ویسے ہی عبداللہ بن مبارکؒ نے بھی سفیان ثوری سے لَمْ یَعُدْ روایت کیا ہے۔ چنانچہ درایہ تخریج ہدایہ میں حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ نسائی بلکہ خود علامہ زیلعیؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ وکیع سے غلطی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس سے اوپر کے درجہ میں غلطی ہے۔ اور وہ سفیان ہے بہر جن راویوں نے لَمْ یَعُدْ کی بجائے تطبیق کا ذکر کیا ہے۔ وہ سفیان کے درجہ میں ہیں جیسے ابو حاتم۔ امام احمد اور ان کے استاد یحییٰ بن آدمؒ کے کلام سے ظاہر ہے تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہم سفیان کا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسئلہ شغار (نکاح بٹہ) کی حدیث میں شغار کی تفسیر (بلا مہر وٹہ سٹہ) کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے۔ کہ کس کی تفسیر...... ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ کہ امام مالکؒ کی ہے کوئی کہتا ہے کہ امام مالکؒ کے استاد عبیداللہ بن عمرؒ کی ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ عبیداللہ بن عمرؒ کے استاد نافعؒ کی ہے۔ مگر آخر دلیل سے...... معلوم ہو گیا کہ

نافع کی تفسیر ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں تصریح ہے۔ عبید اللہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے نافع سے شغار کی تفسیر پوچھی۔ تو انہوں نے کہا کہ نکاح وٹہ سٹہ بلا مہر کو شغار کہتے ہیں ملاحظہ ہو بخاری کتاب الحیل۔ مسلم باب نکاح شغار وغیرہ۔ غرض جب اختلاف میں کسی جانب کو ترجیح ہو جائے۔ تو ترجیح پر عمل ہوگا۔ چنانچہ یہاں عبداللہ بن مسعودرض کی حدیث میں محدثین نے ایسا ہی کیا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ محدثین کی نظر کس قدر اور کتنی گہری تھی۔ کہ بال کی کھال اتار دی۔ اور ثابت کر دیا۔ کہ دوبارہ ہاتھ اٹھانے کی نفی کی بجائے تطبیق کا ذکر صحیح ہے۔ اس کی مزید وضاحت ترمذی میں ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث جس میں صرف پہلی دفعہ ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ ثابت نہیں۔ گویا عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک بھی دوبارہ ہاتھ اٹھانے کی نفی کی بجائے تطبیق ہی کا ذکر صحیح ہے۔ عبداللہ بن مبارک کے اصل الفاظ ترمذی میں یہ ہیں:-

قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ قَدْ ثَبَتَ حَدِيْثُ مَنْ يَّرْفَعُ وَذَكَرَ حَدِيْثَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ۔

یعنی عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا۔ کہ رفعیدین کی حدیث ثابت ہے جیسے زہریؒ جو سالمؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور سالم اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ثابت نہیں۔ جس میں ذکر ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی دفعہ ہاتھ اٹھائے ہیں۔"

حنفیہ کے پاس رفعیدین نہ کرنے کے متعلق بڑی دلیل یہی عبداللہ بن مسعودرض کی حدیث ہے۔ جس کا حال آپ سن چکے ہیں۔ اس میں دوبارہ ہاتھ اٹھانے کی نفی ثابت

نہیں۔ اور ترمذی کا اس کو حسن کہنا، اس سے مراد سند کا اچھا ہونا ہے۔ چنانچہ ترمذی کے اخیر کتاب العلل میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ کہ جہاں ہم حدیث حسن کہتے ہیں۔ وہاں ہماری مراد حسن اسناد ہے۔ جو کئی سندوں سے مروی ہو جس میں کوئی راوی متہم نہ ہو۔ اور وہ حدیث شاذ بھی نہ ہو سو یہ حدیث امام ترمذی کے نزدیک ایسی ہی ہے۔ رہا کسی لفظ کا وہم۔ تو وہ ثقہ راوی سے بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سفیان کا وہم بدلیل ثابت ہو چکا ہے۔ خاص کر جب عبداللہ بن مبارکؒ جو اس کے راوی ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ کہ دوبارہ ہاتھ اٹھانے کی نفی ثابت نہیں۔ چونکہ عبداللہ بن مبارکؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس لئے ان کا غیر ثابت کہنا حنفیہ پر بڑا بار ہے۔ بڑے بڑے ائمہ حنفیہ اس کا معقول جواب نہیں دے سکے۔ علامہ زیلعیؒ نے جواب دیا کہ جب اختلاف ہو گیا۔ کہ یہ کس کا وہم ہے۔ تو دونوں ساقط ہو گئے۔ حالانکہ دونوں قول اس وقت ساقط ہوتے ہیں۔ جب کسی جانب کو ترجیح نہ ہو اور یہاں ایک کو ترجیح موجود ہے۔ چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور ابن الہمام کہتے ہیں۔ کہ دوبارہ ہاتھ اٹھانا سفیان سے وکیع نے ذکر کیا ہے۔ اور وکیع ثقہ ہیں۔ اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے۔ اس بنا پر دوبارہ ہاتھ نہ اٹھانا یہ زیادتی معتبر ہوگی۔ لیکن ابن الہمامؒ نے اس بات کا خیال نہیں کیا۔ کہ عبداللہ بن مبارکؒ بھی اس زیادتی کے روایت کرنے میں وکیع کے موافق ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن مبارکؒ اس زیادتی کو غیر ثابت کہہ رہے ہیں۔ نیز ایک جماعت اس کی جگہ تطبیق کا ذکر کر رہی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ زیادتی صحیح نہیں۔ چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ پھر ابن الہمام کا اس کو زیادتی ثقہ کہنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ زیادتی تب ہوتی۔ جب کوئی راوی صرف تطبیق کا ذکر کرتا۔ اور کوئی دونوں (تطبیق اور دوبارہ ہاتھ نہ اٹھانے) کا ذکر کرتا۔ اور یہاں ایسا نہیں بلکہ تطبیق کی جگہ دوبارہ ہاتھ نہ اٹھانے کا ذکر ہے۔ تو پھر زیادتی

ثقہ کس طرح ہوئی۔ پس جب یہ زیادتی نہ ہوئی۔ تو اب یہاں دیکھا جائے گا۔ کہ ترجیح کس کو ہے؟ تطبیق کو یا دوبارہ ہاتھ نہ اٹھانے کو۔ محدثین نے جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ ترجیح تطبیق کو ہے۔ ایک تو اس لئے کہ عبداللہ بن مبارک جو دوبارہ ہاتھ نہ اٹھانے کے راوی ہیں۔ وہ خود ہی دوبارہ ہاتھ نہ اٹھانے کو غیر ثابت کہہ رہے ہیں۔

دوئم اس لئے کہ تطبیق کی راوی ایک جماعت ہے۔

سوم اس لئے کہ عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں بھی تطبیق ہی کا ذکر ہے۔ اور کتاب پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے

یہ سب وجوہات بتا رہی ہیں۔ کہ .... دوبارہ ہاتھ نہ اٹھانے کا ذکر سفیان ثوری رح کا وہم ہے۔

غرض آج تک حنفیہ اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اس لئے ہمیشہ ان کی کوششیں رہیں کہ کوئی نیا جواب تجویز ہو۔ آخر آجکل کے احناف نے ایک نیا جواب تجویز کیا ہے۔

مگر آپ جانتے ہیں۔ جو بات غلط ہے وہ غلط ہی ہے۔ اگر اس کو صحیح بنانے کی کوشش کی جائے تو کئی اور غلطیوں کا ارتکاب ہوگا جس کی مثال مشہور ہے۔

فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ

یعنی بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

اور پھر جو جواب اتنی صدیوں بعد بزرگوں کے خلاف سوجھا ہو۔ اس میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے؟ آخر گمراہ فرقوں نے کیا گناہ کیا؟ یہی کہ ان کو سلف کے خلاف نئی نئی سوجھتی ہیں۔ خدا اس سے بچائے اور سلف کی روش پر چلائے آمین۔

خیر اب وہ نیا جواب سنئے۔ علماء دیوبند کا ایک ادارہ قائم ہے جس کا نام مجلس علمی ہے۔ انہوں نے اپنی مذہبی خدمت میں بہت سے کارہائے نمایاں ادا کئے

ہیں۔ جن میں سے تحشّی کتب اور ان کی طباعت کا سلسلہ بھی ہے۔ نصب الرایہ حنفی مذہب کی ایک بڑی کتاب ہے۔ وہ ڈابھیل ضلع سورت میں اس مجلس علمی کے زیر اہتمام چھپی ہے۔ اس کی جلد اول صفحہ ۳۹۴ کے حاشیہ میں محشّی تمام محدثین (بلکہ تمام فقہا کی بھی) تغلیط کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ محدثین بھی یہی سمجھتے رہے۔ کہ جس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ اسی کو عبداللہ بن مبارک نے غیر ثابت کہا ہے۔ حالانکہ جس روایت کو عبداللہ بن مبارک نے غیر ثابت کہا ہے۔ وہ اور ہے۔ اور جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے وہ اور ہے۔ ترمذی نے جس کو حسن کہا ہے وہ یہ ہے :۔

مراد مجلس علمی کے

عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر نماز پڑھائی۔ پس صرف پہلی دفعہ (نیت باندھنے کے وقت) ہاتھ اٹھائے۔ اور اس بارے میں براء بن عازب سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن ہے۔

اور عبداللہ بن مبارک نے جس حدیث کو غیر ثابت کہا ہے۔ اس کے الفاظ دار قطنی میں یہ ہیں:۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ

۱ اس مجلس علمی نے

اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيَهُمْ اِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ابوبکرؓ کے ساتھ اور عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی۔ انہوں نے صرف پہلی تکبیر میں نماز کی نیت باندھنے کے وقت ہاتھ اٹھائے

اس کی اسناد میں محمد بن جابر ہے۔ جو حماد بن ابی سلیمان کا شاگرد ہے جس کا اوپر اسناد میں ذکر آچکا ہے۔ یہ چونکہ ضعیف ہے۔ اس لئے عبداللہ بن مبارک نے اس روایت کو غیر ثابت کہا ہے۔

مجلس علمی علماء دیوبند نے اس پر دو دلیلیں پیش کی ہیں :۔

پہلی دلیل : یہ کہ پہلی حدیث عبداللہ بن مسعود کا فعل ہے۔ کہ خود نماز پڑھ کر بتلائی ہے۔ اور دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔ یعنی بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ اور عمرؓ یوں نماز پڑھتے۔ اور عبداللہ بن مبارک نے جس حدیث کو غیر ثابت کہا ہے۔ وہ بھی قول ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک کے الفاظ یہ ہیں :۔

وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ اِلَّا فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ۔

یعنی عبداللہ بن مسعود کی حدیث ثابت نہیں ہوئی جس میں وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے

جب یہ بھی قول ہے اور دوسری حدیث بھی قول ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عبداللہ

بن مبارکؒ کی مراد دوسری حدیث ہے۔ پس پہلی حدیث عبداللہ بن مبارک کے نزدیک غیر ثابت نہ ہوئی۔ اور محدثین یا فقہاء کا یہ سمجھنا کہ عبداللہ بن مبارک نے اس کو غیر ثابت کہا ہے۔ یہ صحیح نہ ہوا۔

دوسری دلیل: یہ وہی ہے۔ کہ ترمذی نے بعض نسخوں میں یہ باب باندھا ہے۔ بَابُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود کی پہلی حدیث لائے ہیں۔ اور اس کو حسن کہا ہے۔ اور عبداللہ بن مبارکؒ کی عبارت میں مراد پہلی حدیث نہیں۔ ورنہ ترمذی یہ عبارت دوسرے باب میں عبداللہ بن مسعودؓ کی پہلی حدیث کے بعد لاتے۔ اور یہ نسخہ جس میں دوسرا باب باندھا ہے۔ شیخ عبداللہ بن سالم بصری کا ہے۔ جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے استاد ہیں۔ اور یہ نسخہ پیر جھنڈا سندھی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور ایک نسخہ شاہ عبدالحق صاحبؒ دہلوی کا ہے۔ اس میں یہ باب موجود ہے۔ جیسے ان کی کتاب سفر السعادت سے معلوم ہوتا ہے۔

دونوں دلیلوں کا جواب: علمائے دیوبند کوڑی تو بہت دور کی لائے ہیں مگر اپنے وقار کا خیال نہ کیا۔ ایک آدھ عالم غلطی کرے۔ تو معمولی بات ہے۔ یہاں ایک مجلس بیٹھی ہے۔ اور ایک معمولی سی بات میں الجھ جاتی ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ کی عبارت دو حدیثوں کے متعلق ہے۔ ایک عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث دوسری عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث۔ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کو ثابت کہا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو غیر ثابت۔ جب ترمذی نے ان دونوں حدیثوں پر الگ الگ دو باب باندھے تو تکرار سے بچنے کے لئے عبداللہ بن مبارک کی عبارت ایک ہی باب میں ذکر کرنی مناسب تھی۔ اس کے علاوہ پیر جھنڈا شاہ بدیع الدین صاحب سے ہم نے خود دریافت کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہمارے پاس یہ نسخہ موجود ہے۔ مگر اس میں دو باب نہیں۔ جس نے

دو باب کہا ہے۔ اس کی ڈبل غلطی ہے۔ یہ تو دوسری دلیل کا جواب ہوا۔

رہی پہلی دلیل۔ تو وہ اس سے بھی گری ہوئی ہے۔ عبداللہ بن مسعود کی پہلی حدیث بھی قول ہی ہے۔ کیونکہ وہ پہلے کہتے ہیں۔ کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھاتا ہوں۔ تو ان کا یہ کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا بیان ہوگیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا بیان نہ ہو۔ تو حنفیہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ رفعیدین نہ کرنے کے متعلق صرف صحابی کا فعل ہوگا۔ اور رفعیدین کرنے کے متعلق مرفوع احادیث ہوں گی۔ تو فعل صحابی کا مرفوع احادیث سے کیا مقابلہ ؟

یہ تو خیر دو دلیلوں کا مختصر جواب ہوا۔ اب اغلاط سنیئے۔ اس مجلس علمی نے ایک غلطی (سفیان کے وہم) کو صحیح بنانے کے لئے پانچ ڈبل غلطیاں اور کی ہیں :۔

(۱) عبداللہ بن مبارک رح کی عبارت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ذکر نہیں۔ بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود کی پہلی حدیث میں بھی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ تو یہ عبارت پہلی حدیث سے زیادہ مناسب ہوئی یا دوسری سے ؟

(۲) عبداللہ بن مبارک کا دونوں حدیثوں کا آپس میں مقابلہ کرکے کہنا کہ فلاں ثابت ہے اور فلاں ثابت نہیں۔ اس سے مسئلہ کی حیثیت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنے مقصد یہ واضح کرنا ہے۔ کہ فعل (رفعیدین کرنا) ٹھیک ہے۔ ترک ٹھیک نہیں۔ اس بنا پر اگر ان کی عبارت کا تعلق صرف دوسری حدیث سے ہو۔ تو پھر مسئلہ کا بیان نہیں ہوتا۔

(۳) پہلی حدیث سفیان سے جیسے وکیع نے روایت کی ہے۔ ایسے ہی عبداللہ بن مبارک رح نے بھی روایت کی ہے۔ تو اس حدیث کا عبداللہ بن مبارک کو پتہ ہے۔ اور دوسری کے متعلق کوئی پتہ نہیں۔ کہ ان کو پہنچی ہے یا نہیں۔ تو پھر خواہ مخواہ ان کی عبارت

کو دوسری حدیث پر چسپاں کرنا محض اٹکل ہی ہے۔

(۴) ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کے بعد قائلین رفعیدین کا ذکر کیا ہے جن میں عبداللہ بن مبارک بھی ہیں۔ اگر عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ کی پہلی حدیث ثابت ہوتی تو تارکین رفعیدین کے ساتھ بھی ان کا ذکر ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مبارک کی عبارت پہلی حدیث سے متعلق ہے

(۵) نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۱۷۴ میں (نَقْلًا عَنْ جُزْءِ رَفْعِ الْیَدَیْنِ لِلْبُخَارِیِّ) ہے۔ کہ امام ابوحنیفہؒ نے عبداللہ بن مبارک کو رفع یدین کرتے دیکھا۔ تو کہا۔ کہ کیا اڑنے لگا تھا؟ عبداللہ بن مبارکؒ نے جواب دیا۔ جب پہلی دفعہ (نیت باندھنے کے وقت) نہیں اڑا تو پھر کیا اڑنا تھا

اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک عبداللہ مسعود کی کوئی حدیث بالکل صحیح نہیں۔

قارئین کرام! تقلید کے دائرے میں اس قسم کی غلطیاں بہت ہیں۔ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ ایسی چند اور سن لیجئے۔ جن سے مسئلہ رفعیدین کی وضاحت ہو جائے۔ اور یہاں اسی کی وضاحت مقصود ہے

(۱) نصب الرایہ زیلعی جلد اول صفحہ ۳۵۵ وغیرہ میں اس بات پر بڑا زور دیا ہے۔ کہ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

وَيَكْفِيْنَا فِيْ تَضْعِيْفِ اَحَادِيْثِ الْجَهْرِ اِعْرَاضُ اَصْحَابِ الْجَوَامِعِ الصَّحِيْحَةِ وَالسُّنَنِ الْمَعْرُوْفَةِ وَالْمَسَانِيْدِ الْمَشْهُوْرَةِ الْمُعْتَمَدِ عَلَيْهَا فِيْ حُجَجِ الْعِلْمِ وَمَسَائِلِ الدِّيْنِ فَالْبُخَارِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَعَ شِدَّةِ تَعَصُّبِهٖ وَفَرْطِ تَحَمُّلِهٖ

عَلٰی مَذْھَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لَمْ یُوْدِعْ صَحِیْحَۃٌ مِنْھَا وَاحِدًا وَلَاکَذٰلِكَ مُسْلِمٌ۔

ترجمہ:۔ حدیث جہر کے ضعف کی یہ وجہ ہیں کافی ہے۔ کہ احادیث کی وہ کتابیں جن میں صحت کی شرط ہے (جیسے بخاری مسلم) اور ان کے علاوہ دیگر مشہور و معروف کتابیں (جیسے ابو داؤد، ترمذی وغیرہ) ان کے مصنفین ان احادیث کو اپنی کتب میں نہیں لائے۔ پس بخاریؒ باوجود اس کے کہ وہ مذہب ابوحنیفہ سے سخت تعصب رکھتے ہیں۔ اور اس پر حد سے زیادہ حملے کرتے ہیں۔ اپنی کتاب میں جہر کی ایک حدیث بھی نہیں لائے۔"

اس سے چند سطور کے بعد صفحہ ۳۵۶ پر لکھتے ہیں:۔

وَاَنَا اَحْلِفُ بِاللّٰہِ وَبِاللّٰہِ لَوِاطَّلَعَ الْبُخَارِیُّ عَلٰی حَدِیْثٍ مِّنْھَا مُوَافِقٍ بِشَرْطِہٖ اَوْ قَرِیْبًا مِنْ شَرْطِہٖ لَمْ یُخْلِ مِنْہُ کِتَابَہٗ وَلَاکَذٰلِكَ مُسْلِمٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَلَئِنْ سَلَّمْنَا فَھٰذَا اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ مَعَ اشْتِمَالِ کُتُبِھِمْ عَلَی الْاَحَادِیْثِ السَّقِیْمَۃِ وَالْاَسَانِیْدِ الضَّعِیْفَۃِ لَمْ یُخْرِجُوْا مِنْھَا شَیْئًا فَلَوْلَا اَنَّھَا عِنْدَھُمْ وَاھِیَۃٌ بِالْکُلِّیَّۃِ لَمَا تَرَکُوْھَا وَقَدْ تَفَرَّدَ النَّسَائِیُّ مِنْھَا بِحَدِیْثِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَھُوَ اَقْوٰی مَافِیْھَا عِنْدَھُمْ وَقَدْ بَیَّنَّا ضُعْفَہٗ وَالْجَوَابَ عَنْہُ مِنْ وُجُوْہٍ مُتَعَدِّدَۃٍ۔

ترجمہ:۔ میں بارہا قسم کھاتا ہوں۔ کہ اگر جہر بسم اللہ کی بابت امام بخاریؒ ایک حدیث بھی اپنی شرط کے موافق صحیح پاتے یا اس کے قریب پاتے۔ تو اپنی کتاب کو اس سے خالی نہ چھوڑتے۔ اسی طرح (امام) مسلم۔ اور اگر ہم تسلیم کریں

کہ ان سے کوئی حدیث رہ گئی۔ تو یہ ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ جن کی کتابوں میں کمزور حدیثیں اور ضعیف سندیں موجود ہیں۔ انہوں نے بھی کوئی حدیث جہر بسم اللہ کی روایت نہیں کی۔ اگر ان کے نزدیک جہر بسم اللہ کی احادیث بالکل ردی نہ ہوتیں۔ تو وہ بھی کبھی نہ چھوڑتے۔ صرف اکیلے نسائیؒ نے ابوہریرہؓ کی حدیث روایت کی ہے۔ اور یہ قائلین جہر کے ہاں بہت قوی دلیل ہے اور ہم نے اس کا ضعف بیان کر دیا ہے۔ اور اس کا کئی طرح سے جواب دیا ہے"۔

علامہ زیلعیؒ کی اس عبارت کا مطلب واضح ہے۔ کہ جو حدیث بخاری مسلم میں نہ ہو وہ بخاری مسلم کی شرط پر تو کجا اس کے قریب بھی نہیں۔ خدا جانے علامہ زیلعی کو کیا ہوا کہ تقلید کے اندھیرے میں مستدرک حاکم ایسی کتابیں بھی انکی نظر سے اوجھل ہو گئیں حالانکہ ان میں سینکڑوں حدیثیں بخاری مسلم کی شرط پر صحیح یا اس کے قریب موجود ہیں مگر بخاری مسلم میں نہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ رفعیدین نہ کرنے کی حدیث بھی بخاری مسلم میں نہیں۔ مگر اس پر حنفیہ کا اتنا زور ہے۔ کہ اس سے بخاری مسلم وغیرہ میں رفع یدین کرنے کی تمام احادیث کو منسوخ قرار دے دیا ہے۔

قارئین کرام! یہ ہے علامہ زیلعی کی زوردار تقریر کا ایک نتیجہ۔ جو قسمیں کھا کھا کر کی گئی ہے۔

اس سے بڑھ کر ایک نتیجہ اور سنئے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی حدیث صحاح ستہ میں نہ ہو یا صرف صحاح ستہ کی ایک ہی کتاب میں ہو۔ تو وہ بھی ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے۔ اور یہ مسلمہ چیز ہے کہ حنفیہ کے بہت سے مسائل صحاح ستہ سے باہر ہیں۔ جیسے بیس تراویح اور وتروں کی تیسری رکعت میں رفعیدین کرنا اور پھر ہاتھ باندھ کر دعا قنوت اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ الخ پڑھنا اور ایک وتر کا ناجائز ہونا، قہقہہ سے وضو کا ٹوٹنا، گھٹنوں کا ستر میں شامل ہونا۔ اس قسم کے بہت سے مسائل

ہیں جن کی احادیث صحاح ستہ میں نہیں۔ پس علامہ زیلعی کے اس اصول سے یہ سب مسائل ردی ہو گئے۔

پھر اسی اصول سے حنفیہ کی حدیث کی کتابیں بھی ردی ہو گئیں۔ مثلاً حنفیہ کی بڑی مستند کتاب جو مسند امام ابو حنیفہؒ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح امام محمد شاگرد امام ابو حنیفہ کی کتاب مؤطا امام محمد اور کتاب الآثار وغیرہ یہ سب غیر معتبر ہو گئیں۔ کیونکہ صحاح ستہ والے امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں سے روایت نہیں کرتے۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ۔

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں تقلید کے کرشمے۔ کہ انسان اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارتا ہے۔ مگر اس کو پتہ نہیں لگتا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

رہا علامہ زیلعی کا یہ کہنا۔ کہ نسائی کی حدیث کا ضعف ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اور اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔ سو ان پر بھی بہت سا تقلید کا رنگ ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

پہلا جواب یہ دیا ہے کہ ابو ہریرہؓ کے آٹھ سو شاگرد ہیں بعض صحابی، بعض تابعی مگر ان سے سوائے نُعَیم المُجمر کے کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا۔ گویا اتنوں کے درمیان سے نعیم المجمر کا تفرد یہ وجہ ضعف ہے۔ حالانکہ یہ وجہ ضعف اس صورت میں ہوتی۔ جب یہ سارے اس حدیث کے راوی ہوتے اور نعیم المجمر کوئی لفظ ان کے خلاف روایت کرتے۔ تو ان کی روایت شاذ ہو کر ضعیف ہو جاتی۔ مگر جب راوی ہی اکاّدکّا ہے۔ اور یہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے۔ تو پھر اتنوں کی تعداد ذکر کرنے سے کونسا نور برسا)۔ کسی کے بہت شاگرد ہونے سے ان سے ایک (اکیلے) کی روایت ضعیف ہو جاتی۔ تو یہ اصول پہلے حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ پر لگتا۔ کیونکہ یہ حضرت عمرؓ کی حدیث ہے۔ اور ان کے سینکڑوں شاگرد ہیں۔ پھر انہوں نے یہ حدیث

ممبر پہ ان کا سنائی ہے۔ لیکن ان سے روایت کرنے والے صرف علقمہ بن وقاص اللیثی ہیں۔ اور علقمہ سے محمد بن ابراہیم تیمی اور محمد بن ابراہیم سے یحییٰ بن سعید انصاری۔ یہ تینوں اپنے اپنے درجوں میں متفرد ہیں۔ اور ان کے بعد یحییٰ بن سعید سے مشہور ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس کے راوی تین سو بلکہ زیادہ تک پہنچ گئے۔ بلکہ بعض نے سات سو تک لکھا ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری جلد اول ص)

دوسرا جواب علامہ زیلعیؒ نے یہ دیا ہے کہ نعیم المجمر نے جہر بسم اللہ کی صراحت نہیں کی۔ چنانچہ نعیم المجمر کے الفاظ یہ ہیں:۔

صَلَّیْتُ وَرَاءَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ثُمَّ قَرَأَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ حَتّٰی بَلَغَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقَالَ اٰمِیْنَ فَقَالَ النَّاسُ اٰمِیْنَ وَیَقُوْلُ کُلَّمَا سَجَدَ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَاِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوْسِ فِی الْاِثْنَتَیْنِ قَالَ اللّٰهُ اَکْبَرُ وَاِذَا سَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنِّیْ لَاَشْبَهُکُمْ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (نسائی طبع انصاری ص۹۲)

ترجمہ: میں نے ابوہریرہ رض کے پیچھے نماز پڑھی پس انہوں نے بسم اللہ پڑھی۔ پھر (باقی) فاتحہ پڑھنی شروع کی جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی پس لوگوں نے بھی آمین کہی اور جب سجدہ کرتے اللہ اکبر کہتے۔ اور جب دو رکعت میں بیٹھ کر تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے۔ تو بھی اللہ اکبر کہا۔ اور جب سلام پھیرا تو فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تم سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

اس میں بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ جہر کا ذکر نہیں۔ اور پڑھنا آہستہ بھی ہو سکتا ہے۔

جیسے مسلم جو اصفحہ ۲۶۳ پر کتاب التہجد باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دعاءہ باللیل میں ہے

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا قَامَ فِی الصَّلٰوۃِ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ اِلٰی اٰخِرِھَا وَاِذَا رَکَعَ قَالَ اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ وَیَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِہٖ نَحْوَ ذٰلِکَ وَاِذَا تَشَھَّدَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ اِلٰی اٰخِرِہٖ

(نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۲۷)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو وَجَّھْتُ وَجْھِیَ اخیر تک کہتے۔ اور جب رکوع کرتے تو اس وقت اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ الخ کہتے اور جب سجدہ کرتے تو اس وقت بھی اسی کے قریب کہتے۔ اور جب تشہد پڑھتے تو اس وقت اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ الخ کہتے۔"

اس حدیث میں قول (کہنے) کا لفظ ہے۔ اس سے آہستہ کہنا ہی مراد ہے، ایسے ہی حدیث ابو ہریرہ مذکورہ میں تَمَرَّکَ کے لفظ سے آہستہ پڑھنا سمجھ لینا چاہیئے

علامہ زیلعیؒ سے یہاں دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علیؓ کی حدیث میں قول سے آہستہ کہنا مراد لیا ہے حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ ظاہر یہی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے تعلیم کیلئے بلند آواز سے پڑھی۔ چنانچہ ظہر و عصر میں رسول اللہ صلعم کبھی کوئی آیت سورت کی بلند آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ تاکہ صحابہ کو قرات کا پتہ لگے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ وَکَانَ یُسْمِعُنَا الْاٰیَۃَ اَحْیَانًا یعنی ہمیں کبھی کوئی آیت سنا دیتے"۔ ایسا ہی حضرت علیؓ کی اس حدیث میں ہو سکتا ہے۔ اور علامہ زیلعیؒ نے بھی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر انہوں نے اسکو حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث پر بھی چسپاں کیا ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے تعلیم کیلئے پڑھی ہو۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ بسم اللہ کے علاوہ تکبیرات وغیرہ بھی ہیں کیا وہ بھی

تعلیم کیلئے بلند آواز سے کہیں؟ ۔ ابوہریرہؓ کی حدیث کے متعلق یہ نظریہ صحیح نہیں

دوم یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کو حضرت علیؓ کی حدیث پر قیاس کرنا ایک اور طرح سے بھی ...

کہ ابوہریرہ نے اخیر میں فرمایا۔ کہ میں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ ہوں۔ اس سے صاف واضح ہے۔ کہ نعیم المجمر نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ ابوہریرہ رض کی اسی نماز کو دیکھ کر بیان کیا ہے۔ اور نعیم المجمر کا یہ کہنا کہ میں نے ابوہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو انہوں نے یہ یہ کچھ پڑھا۔ اس سے بھی واضح ہے کہ نعیم المجمر اس نماز کو دیکھ کر بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ یہ چیزیں بلند آواز سے پڑھی ہوں۔ اور اس کے علاوہ فاتحہ اور تکبیرات تو امام بلند آواز ہی سے پڑھتا ہے اور روشِ عبارت سے بھی یہی ظاہر ہے۔ کہ نعیم المجمر کہتے ہیں۔ کہ بسم اللہ پڑھی۔ پھر فاتحہ پڑھی۔ جب غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پر پہنچے۔ تو آمین کہی۔ یہ طرزِ بیان بتا رہی ہے کہ نعیم المجمر سن رہے تھے۔ اور ابوہریرہ آمین بھی بلند آواز سے کہا کرتے تھے چنانچہ مسئلہ آمین میں گذر چکا ہے۔ پس یہ سب قرائن اس بات کے واضح دلائل ہیں۔ کہ ابوہریرہؓ نے بسم اللہ بھی بلند آواز سے پڑھی۔ ورنہ اس کے لئے أَسَرَّ (آہستہ کہنے) کا لفظ بولتے اور جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ وہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہاں ابوہریرہ کی حدیث میں بھی آہستہ ہے۔ کیونکہ وہ احادیث ابوہریرہ کی حدیث سے الگ ہیں۔ جب ابوہریرہ رض کی حدیث میں قرینہ جہر کا موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ بسم اللہ کا دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ دوسری حدیثوں سے آہستہ اور ابوہریرہ کی حدیث سے جہر۔

اور یہی وجہ ہے کہ محدثین (نسائی وغیرہ) نے ابوہریرہؓ کی حدیث پر جہر کا باب باندھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

بَابُ الْجَهْرِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۔ نصب الرایہ زیلعی ملخصاً

تیسرا جواب علامہ زیلعی نے یہ دیا ہے کہ ابوہریرہ رضؓ کا اپنی نماز کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ بتلانا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری باتوں میں مشابہت ہو۔ بلکہ اکثر حصے میں مشابہت مراد ہے۔ جیسے تکبیریں وغیرہ نہ کہ بسم اللہ بھی یہاں بھی علامہ زیلعیؒ سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ مشابہت ظاہر میں پوری مشابہت کو چاہتا ہے۔ ظاہر (حقیقی) کے خلاف مجازی معنیٰ ہوتا ہے۔ اور جہاں حقیقی معنے بن سکے۔ مجازی معنیٰ لینا جائز نہیں پس صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ بھی اس میں شامل ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ صحابی سے یہ بہت بعید ہے۔ کہ نماز میں بعض افعال اپنے طور پر کر کے اخیر میں اپنی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرے، حاشا و کلا۔ یہ علامہ زیلعی کی بڑی جرأت ہے۔

پس اصل مسئلہ یہی ہے کہ بسم اللہ دونوں طرح درست ہے آہستہ بھی اور بلند بھی۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام)

علامہ زیلعیؒ کی غلطی کا سبب نماز اسلام میں اتنا بڑا اہم فریضہ ہے۔ کہ اس کے لئے خدا تعالیٰ نے نبی کو آسمان پر دعوت دی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام زمین پر اترے۔ اور دو دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کرائی۔ اسی طرح اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عملی طور پر تعلیم دیتے اور فرماتے، صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ "یعنی نماز اس طرح پڑھو۔ جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھو"۔ یہی حال صحابہؓ کی تعلیم کا تھا۔ ابوہریرہ رضؓ کی یہ حدیث بھی اسی قسم سے ہے کہ نماز پڑھا کر فرمایا۔ کہ میری نماز تمہاری نمازوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بہت مشابہ ہے۔

اس کے بعد تابعینؒ جب کسی مسئلہ نماز میں کسی کی غلطی دیکھتے تو وہ صحابہؓ کا حوالہ دیتے۔ چنانچہ اس حدیث میں نعیم المجمر نے ابوہریرہ کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے یوں نماز

پڑھی۔ کہ بسم اللہ پڑھی پھر فاتحہ پڑھی اور غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّآلِّین پر پہنچے۔ تو آمین کہی سالوٰ پیچھے لوگوں نے بھی آمین کہی۔ اور جب سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے۔ اور جب تیسری رکعت کے لئے اٹھے تو اللہ اکبر کہا۔ اور ابوھریرہ رض کے بعض شاگردوں نے یوں ذکر کیا ہے۔ کہ ابوہریرہ رض جب نماز پڑھاتے تو ہر نیچے اوپر جانے کے وقت اللہ اکبر کہتے۔ اور بسم اللہ پڑھنے کا، فاتحہ کا اور آمین کا ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ یہ روایت مسلم وغیرہ میں ہے۔ اس سے علامہ زیلعیؒ یہ سمجھے ہیں کہ ابوہریرہ رض کا اپنی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ بتلانے کا مقصد ہی یہ تھا۔ کہ تکبیریں اس طرح کہنی چاہییں۔ جیسے میں نے کہی ہیں۔ باقی باتوں میں مشابہت مقصد نہیں۔ حالانکہ ابوہریرہ رض کی حدیث سے استدلال کرنے والا تابعی ہے۔ نماز کے جس مسئلہ میں لوگوں کی غلطی یا سستی دیکھی اس کا ذکر کر دیا کسی شاگرد نے تکبیروں کے مسئلہ میں سستی یا غلطی دیکھی۔ اس نے صرف تکبیر کا ذکر کر دیا۔

نعیم المجمر نے بعض اور باتوں میں بھی سستی یا غلطی دیکھی۔ انہوں نے ان کا بھی ذکر کر دیا کیونکہ جب ایک حدیث میں کئی مسائل ہوں اور حسب ضرورت ان سے بعض کا ذکر کیا جائے۔ تو اس سے باقی کی نفی لازم نہیں۔ کیونکہ مسائل اکثر حسب ضرورت ذکر ہوتے ہیں۔

یہ علامہ زیلعیؒ کی ڈبل غلطی ہے کہ بعض راویوں کے ایک پر اکتفا کرنے سے باقی میں مشابہت کی نفی سمجھ لی۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو نعیم المجمر بسم اللہ اور فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین (بالجہر) کا اضافہ کیوں کرتے؟ علامہ زیلعیؒ نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ آمین۔

چوتھا جواب علامہ زیلعیؒ نے حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی کے ساتھ دیا ہے۔ یہ بھی ابوہریرہ رض کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی ہے۔ جب بندہ الحمد للہ رب العٰلمین کہتا ہے۔

تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ بندے نے میری حمد کی۔ جب بندہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ بندہ نے میری ثنا کی۔ جب بندہ مٰلِكِ یوم الدین کہتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے بندہ نے میری بزرگی بیان کی۔ جب بندہ ایاك نعبد وایاك نستعین کہتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ یہ میرے اور میرے بندے درمیان ہے۔ اور بندے کیلئے ہے جو کچھ وہ مانگتا ہے اور جب بندہ اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے۔ اور بندے کے لئے جو وہ مانگتا ہے۔ یہ حدیث مسلم جلد اول صفحہ ۱۶۹ باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ میں ہے۔ اہلحدیث اس سے فاتحہ کے رکن نماز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں فاتحہ کو نماز کہا ہے پس اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ اور اس سے ابو ہریرہؓ نے مقتدی پر فاتحہ کے ضروری ہونے پر استدلال کیا ہے چنانچہ اپنے شاگرد ابو السائب رح کو اسی خاطر سنائی ہے۔

اور حنفیہ اس سے بسم اللہ کے فاتحہ کی آیت نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ تقسیم الحمد للہ رب العلمین سے شروع کی ہے۔ اگر بسم اللہ فاتحہ کی آیت ہوتی۔ تو تقسیم میں اس کا بھی ذکر ہوتا۔ اور جب بسم اللہ فاتحہ کی آیت نہ ہوتی تو فاتحہ کے ساتھ بلند آواز سے اس کا پڑھنا صحیح نہ ہوا۔

علامہ زیلعیؒ اس حدیث کو اسی مقصد کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ اور اس سے ابو ہریرہ رض کی نعیم المجمر والی حدیث کا ضعف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر علامہ زیلعی رح نے اس بات کا خیال نہیں کیا۔ کہ یہاں فاتحہ کے اس حصے کی تقسیم مقصود ہے جس کا خدا کی طرف سے جواب ملتا ہے۔ بسم اللہ چونکہ ساری سورتوں میں مشترک ہے۔ اور اس کا مضمون الرحمٰن الرحیم میں بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اس لئے الگ جواب کی

ضرورت نہیں۔ پس اس سے جزء ہونے کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

علاوہ اس کے جزء نہ ہونے سے نفی جہر ثابت کرنا یہ بھی علامہ زیلعیؒ کی غلطی ہے مسند شافعی (اور کتاب الام للشافعی ص ___) میں ہے۔ کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرضوں میں جب ام القرآن (فاتحہ) سے فارغ ہوتے۔ تو بلند آواز سے کہتے۔ ربنا انا نعوذ بك من الشيطن الرجیم (نصب الرایہ جلد اول ص۳۲۳) حالانکہ انا نعوذ الخ بالاتفاق فاتحہ کی جزء نہیں اسی طرح جمہور علماء آمین بالجہر کے قائل ہیں۔ مگر آمین بالاتفاق فاتحہ کا جزء نہیں۔ جیسے باوجود جزء نہ ہونے کے فاتحہ کے ساتھ بلند آواز سے پڑھی۔ ایسے ہی اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے یعنی بسم اللہ باوجود جزء ہونے کے آہستہ پڑھی۔

نوٹ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ضروری نہیں کہ سب اجزاء کا ایک ہی حکم ہو۔ اگر کسی خارجی دلیل سے کسی جزء کا کوئی الگ حکم ثابت ہو جائے۔ تو باوجود جزء ہونے کے باقی اجزاء سے اس حکم میں وہ الگ ہو جائے گی۔

مثلاً فاتحہ قرآن مجید کا جزء ہے۔ مگر نماز کا رکن ہونے کی حیثیت سے باقی قرآن سے الگ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اگرچہ رکن نہیں۔ مگر سارے قرآن مجید میں ایک سورۃ کی جگہ دوسری سورۃ کام دے گی۔ مگر فاتحہ کی جگہ دوسری سورۃ پڑھے۔ تو اہل حدیث کے نزدیک نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور حنفیہ کے نزدیک نماز خواہ ہو جائے مجرم ضرور ہو گا۔

اسی طرح مغرب کی تین رکعت ہیں اور عشاء کی چار۔ مگر پہلی دو رکعت کئی احکام میں الگ ہیں۔ مثلاً پہلی دو رکعتوں میں قراءت بلند آواز سے ہوتی ہے۔ آخری رکعتوں میں نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک پہلی دو میں سورۃ ملانی واجب ہے۔ نہ اخیر میں۔ اور سفر میں اخیر کی دو رکعت بالاتفاق گر جاتی ہیں۔

غرض یہ مسلمہ چیز ہے کہ دلیل سے بعض اجزاء کا حکم الگ ہو جاتا ہے۔ اس بنا پہ بسم اللہ باوجود فاتحہ کی جزء ہونے کے اس کا حکم آہستگی اور بلندی میں فاتحہ سے الگ ہو سکتا ہے۔

مثلاً فاتحہ بلند آواز سے پڑھنے کے وقت بسم اللہ دونوں طرح درست ہو تو یہ کوئی انوکھی شئی نہیں۔

علامہ زیلعیؒ اور امام طحاویؒ کی غلطی ۔ مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے :

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاْءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَمْ يَسْكُتْ

ترجمہ :۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے ۔ اور سکوت نہ کرتے ۔ یعنے اللھم باعد بینی یا سبحانک اللھم نہ پڑھتے "

نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۴۸ میں طحاوی سے نقل کیا ہے ۔ کہ یہ حدیث بسم اللہ کے جزء نہ ہونے کی دلیل ہے ۔ کیونکہ اگر بسم اللہ فاتحہ کی جزء ہوتی ۔ تو دوسری رکعت میں قرأت بسم اللہ سے شروع ہوتی ۔ اور اسی سے پہلی رکعت میں بھی نفی ہوگئی ۔ کیونکہ جب جزء نہ ہوئی ۔ تو پہلی میں بھی نہیں پڑھی ۔ یعنی جہر سے نہیں پڑھی ۔

علامہ زیلعی امام طحاوی کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ یہ حدیث نعیم المجمر کی حدیث سے صحت میں زیادہ ہے ۔ گویا اس پر مقدم ہے ۔

ان دونوں بزرگوں کی غلطی کا باعث یہی ہے کہ انھوں نے سب اجزاء کا حکم ایک ہی سمجھا ہے ۔ اس بنا پر دوسری رکعت میں آہستہ پڑھنے سے یہ سمجھے ہیں کہ یہ فاتحہ کا جزء نہیں ۔ جب جزء نہیں تو پہلی رکعت میں بھی آہستہ پڑھی ۔ حالانکہ آہستہ پڑھنے سے جزء ہونے کی نفی نہیں ہوتی ۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ سب اجزاء کا حکم ایک ہی ہو چنانچہ ابھی گذرا ہے

رہا علامہ زیلعیؒ کا یہ کہنا کہ نعیم المجمر کی حدیث سے صحت میں زیادہ ہے ۔ اس لئے

مقدم ہے۔ سو یہ تعارض کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور ان میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ بسم اللہ کا دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ آہستہ بھی اور بلند آواز سے بھی۔

علامہ زیلعیؒ نے ایک اور حدیث پیش کی ہے۔ جو پہلی رکعت سے متعلق ہے وہ بھی مسلم کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ:۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع کرتے۔ اور قراءۃ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے۔"

علامہ زیلعیؒ کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث اس بارے میں واضح ہے کہ بسم اللہ جہراً نہیں پڑھتے تھے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۳۴)

لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں تسلی بخش دلیل نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں الحمد للہ رب العلمین۔ یہ پورا جملہ فاتحہ کا نام ہو۔ جس میں بسم اللہ بھی داخل ہے۔ علامہ زیلعیؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ کہ فاتحہ کے نام الحمد۔ فاتحۃ الکتاب، ام القرآن وغیرہ مشہور ہیں۔ پورا جملہ نام ثابت نہیں ہوا۔ مگر یہ علامہ زیلعیؒ کی غلطی ہے۔ کیونکہ بخاری باب فضل الفاتحہ ج ۲ صفحہ ۷۴۹ میں ابو سعید بن المعلی کی حدیث ہے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَاُعَلِّمَنَّكَ سُوْرَةً فِي الْقُرْاٰنِ قُلْتُ مَا هِيَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُوْتِيْتُهٗ

ترجمہ:۔ میں تجھے قرآن مجید کی ایک سورت ضرور سکھاؤں گا۔ میں نے کہا۔ یارسول (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کونسی سورت ہے۔ فرمایا۔ الحمد للہ رب العلمین

یہی سبع المثانی ہے (یعنی سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) اور یہی قرآن عظیم ہے۔ جو میں دیا گیا ہوں"

اس حدیث میں پورا جملہ فاتحہ کا نام ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے۔ کہ علامہ زیلعیؒ صفحہ ۳۳۴ میں پورے جملہ کے نام ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اور چند سطریں بعد اسی صفحہ پر حدیث لائے ہیں جس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ بسم اللہ فاتحہ کی جزء نہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر سات آیتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ مگر سات آیتیں بسم اللہ کے بغیر تب پوری ہوتی ہیں جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کو الگ آیت شمار کیا جائے جیسے حنفیہ کا خیال ہے۔ ورنہ بسم اللہ کو ساتھ ملا کر سات ہوں گی۔ اور ترجیح اسی کو ہے۔ کیونکہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کا آیت ہونا ثابت نہیں۔ بہر صورت علامہ زیلعیؒ سے یہ ڈبل غلطی ہوئی ہے کہ پورے جملے کے نام ہونے سے انکار کیا ہے۔ پھر ایک جگہ نہیں صفحہ ۳۳۸ پر پہنچ کر پھر انکار کیا ہے۔ ہاں علامہ زیلعیؒ پورے جملے کے نام ہونے سے انکار نہ کرتے[۲] اور یہ کہتے کہ ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں یہ آیت ہی مراد ہے۔ فاتحہ مراد نہیں۔ تو یہ کسی قدر ٹھیک تھا۔ کیونکہ مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَکَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا یَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ قِرَاءَۃٍ وَّلَا فِیْ اٰخِرِھَا۔ (مسلم جلد اول ص۱۷۲)

ترجمہ :۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ الحمد للہ رب العلمین سے قرأت شروع کرتے بسم اللہ ذکر نہ کرتے۔ نہ اول قرأت اور نہ ہی اخیر میں (یعنی جہر سے نہ اول فاتحہ میں پڑھتے

[۲] (کیونکہ نام ہونا ابوسعید بن المعلی کی حدیث مذکورہ سے ثابت ہے)

نہ اخیر فاتحہ میں سورۃ سے پہلے)۔

علامہ زیلعیؒ نے بھی صفحہ ۳۲۹ میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس میں ظاہر یہی ہے کہ آیت مراد ہے۔ کیونکہ آگے بسم اللہ کی نفی ہے۔ یعنی بسم اللہ سے شروع نہ کرتے بلکہ آیت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے۔ سو ایسے ہی مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں سمجھ لینا چاہیئے

شبہ شاید کہا جائے کہ یہاں بھی سورۃ مراد ہو سکتی ہے۔ اور بسم اللہ کی نفی بمنزلہ استثنا کے ہوگی۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ قرأت سورۃ فاتحہ سے شروع کرتے۔ مگر اس کی ایک آیت (بسم اللہ) چھوڑ کر شروع کرتے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ پہلے سورۃ مراد لے کر بسم اللہ کو داخل کرنا۔ پھر خارج کرنا تکلف سے خالی نہیں پہلے ہی آیت مراد لے لی جائے۔ اور بسم اللہ کی نفی صرف وضاحت کے لئے ہو۔ تو یہ بہتر ہے اور پھر اس تکلف کا کچھ فائدہ بھی نہیں کیونکہ مطلب تو یہ ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے فاتحہ کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ بلند آواز لفظ الحمد للہ رب العلمین سے شروع ہوتی تھی۔ اور یہ مطلب بہر صورت حاصل ہے۔ خواہ سورۃ کا نام ہو یا آیت مراد ہو۔

ہاں مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں نام مراد ہونے سے یہ فائدہ ضرور ہوگا۔ کہ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا ثابت ہو جائے گا۔ اور نعیم المجمر کی حدیث مؤید ہو جائے گی۔ مگر آخر نتیجہ ایک ہی ہے۔ وہ یہ کہ بسم اللہ دونوں طرح پڑھنی درست ہے۔ آہستہ آواز سے بھی اور بلند آواز سے بھی۔ خواہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کو حضرت انسؓ کی حدیث کے موافق بنائیں۔ اور خواہ نعیم المجمر کی حدیث کے موافق بنائیں۔

بعض کی غلط فہمی بعض کا مذہب ہے۔ کہ بسم اللہ سرے سے ہی نہ پڑھے۔ نہ آہستہ اور نہ ہی بلند آواز سے۔ اور دلیل میں یہی حدیث

02779

لا یذکرون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پیش کرتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنے کرنے کہ بسم اللہ نہ آہستہ ذکر کرتے اور نہ ہی بلند آواز سے۔ یہ غلط ہیں کیونکہ مسلم میں اس سے پہلے یہی حدیث ان الفاظ سے آئی ہے۔

صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِّنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔"

اس روایت میں سماع کی نفی ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ مسند احمد، نسائی اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے لا یجھرون بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یعنی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے۔

یُسِرُّوْنَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یعنی بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ان روایتوں سے واضح ہو گیا کہ حضرت انسؓ کی مراد سرے سے نفی نہیں۔ بلکہ بلند آواز سے نفی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ بلوغ المرام صفحہ ۹ میں یہ روایتیں ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

وَعَلٰى هٰذَا يُحْمَلُ النَّفْيُ فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ خِلَافًا لِمَنْ أَعَلَّهَا

ترجمہ: "یعنی روایت مسلم میں نفی سے مراد بھی یہی (جہر کی نفی) ہے۔ خلاف اس شخص کے جس نے اس حدیث مسلم کو معلول (پوشیدہ عیب والی) کہا ہے۔"

اس حدیث میں قتادہؒ راوی ہیں۔ ان کے شاگرد اوزاعیؒ ہیں اوزاعیؒ نے قتادہؒ سے یہ حدیث سنی نہیں۔ بلکہ قتادہؒ نے لکھ کر بھیجی تھی۔ اور محدثین کتابت سے سماع کا

زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔ مگر جب خط وغیرہ کی اچھی طرح پہچان ہو اور قرآئن پختہ پائے جائیں کہ کسی غیر کا خط نہیں ہو سکتا۔ تو اس صورت میں کتابت سماع کے حکم میں ہو جاتی ہے صحیحین میں اگر کہیں کتابت والی حدیث آجائے۔ تو وہ ایسی ہی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ بعض نے عام خیال کے مطابق اس حدیث کو معلول کہا ہے۔ اس لئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ جب مطلب دوسری روایتوں کے موافق ہے۔ تو معلول کہنا ٹھیک نہیں ۔

حافظ ابن حجرؒ نے تخریج ہدایہ میں بعض اور روایتیں بھی ذکر کی ہیں جن سے اس روایت کا مطلب اور بھی واضح ہوجاتا ہے۔

مثلاً بحوالہ احمدؒ، نسائیؒ، ابن خزیمہؒ، ابن ؒ اور دارقطنیؒ نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یعنی انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کسی کو نہیں سنا کہ بسم اللہ جہر سے پڑھتا ہو۔ اور ابن حبان کی روایت میں ہے وَيَجْهَرُوْنَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی الحمد للہ رب العلمین بلند آواز یعنی جہر سے پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ مسلم کی حدیث مذکورہ بالا سے بعض کا سرے سے بسم اللہ کے ترک پر استدلال کرنا یہ غلط فہمی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ آہستہ پڑھتے تھے۔ اور جب آہستہ اور جہر (دونوں طرح) کی روایتیں آگئیں۔ تو دونوں طرح سے عمل صحیح ہوا۔

نوٹ حنفیہ اپنے مذہب پر دلیل لاتے وقت یہ نہیں سوچتے۔ کہ یہ دلیل موافق ہے یا مخالف۔ مثلاً اقامت دوہری کے لئے ابو محذورہ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ اور اس میں اذان ترجیع کے ساتھ ذکر ہے۔ اس کو نہیں لیتے۔ ایسے ہی بغیر ترجیع کے اذان پر بلالؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں اقامت اکہری ہے۔ اس کو نہیں مانتے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے اگر ایک رکعت پالے۔ تو اس نے عصر کی نماز پالی۔ حنفیہ کا اس

حدیث پر عمل ہے۔ اور اس حدیث میں فجر کی نماز کا بھی ذکر ہے کہ اگر طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالے تو اس نے فجر کی نماز پالی۔ لیکن حنفیہ اس کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں۔ کہ طلوع کے بعد نئے سرے نماز پڑھے۔ پہلی پڑھی ہوئی رکعت فاسد ہوگئی۔ حنفیہ ایسا بہت کرتے ہیں۔ اسی قسم کی چند امثلہ صفحہ ۵۳ پر بھی گذر چکی ہیں۔ اب یہاں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث بحوالہ مسلم پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے۔ اور اس حدیث میں تکبیر کے ساتھ شروع کرنے کا بھی ذکر ہے۔ مگر حنفیہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ تکبیر کے ساتھ شروع کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ تکبیر نماز میں داخل ہے جیسے الحمد للہ رب العالمین قرأت میں داخل ہے۔ اور حنفیہ الحمد للہ رب العالمین کو قرأت میں داخل مانتے ہیں۔ لیکن تکبیر کو نماز سے خارج کہتے ہیں۔ بلکہ سرے سے تکبیر ہی سے منکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کی بجائے اگر اَللّٰہُ اَجَلُّ یا اللہ اعظم وغیرہ کہہ کر نماز شروع کرے۔ تو بھی نماز ہو جائے گی۔ (ملاحظہ ہو ہدایہ وغیرہ)

غرض تقلید کے دائرہ میں قرآن و حدیث کا نام ہی نام ہے۔ کام نہیں۔ کیونکہ مقصد تقلید ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(۲) علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۹۳ میں رفع یدین نہ کرنے کے متعلق چند حدیثیں ذکر کی ہیں۔ جن سے عبداللہ بن مسعود اور براء بن عازب کی حدیثیں بھی ہیں۔ جن کا ذکر مولوی ارشاد احمد نے کیا ہے۔ اور انہی میں سے مندرجہ ذیل حدیث ہے چنانچہ علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:۔

مِنْهَا حَدِيْثُ تَمِيْمِ بْنِ طَرَفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِي

أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اسْكُنُوا فِي الصَّلٰوةِ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَاعْتَرَضَهُ الْبُخَارِيُّ فِي كِتَابِهِ الَّذِي وَضَعَهُ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ فَقَالَ وَأَمَّا احْتِجَاجُ بَعْضِ مَنْ لَّا يَعْلَمُ بِحَدِيثِ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَرْفَعُ أَيْدِيَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اسْكُنُوا فِي الصَّلٰوةِ وَهٰذَا إِنَّمَا كَانَ فِي التَّشَهُّدِ لَا فِي الْقِيَامِ فَفَسَّرَهُ رِوَايَةُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْقِبْطِيَّةِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَأَشَارَ بِيَدِهٖ إِلَى الْجَانِبَيْنِ فَقَالَ مَا بَالُ هٰؤُلَاءِ يُومِنُونَ بِأَيْدِيهِمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ أَنْ يَّضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهٖ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَخِيهِ مِنْ عَنْ يَمِينِهٖ وَمِنْ عَنْ شِمَالِهٖ انْتَهٰى وَهٰذَا أَقُولُ مَعْرُوفٌ لَا اخْتِلَافَ فِيهِ وَلَوْ كَانَ كَمَا ذَهَبُوا إِلَيْهِ لَكَانَ الرَّفْعُ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ أَيْضًا مَنْهِيًّا عَنْهُ لِأَنَّهٗ لَمْ يَسْتَثْنِ رَفْعًا دُونَ رَفْعٍ بَلْ أَطْلَقَ انْتَهٰى كَلَامُهٗ وَرِوَايَةُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْقِبْطِيَّةِ هٰذِهٖ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا وَفِي لَفْظِ النَّسَائِيِّ قَالَ مَا بَالُ هٰؤُلَاءِ يُسَلِّمُونَ بِأَيْدِيهِمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ الْحَدِيثَ وَلِقَائِلٍ أَنْ يَّقُولَ إِنَّهُمَا حَدِيثَانِ لَا يُفَسَّرُ أَحَدُهُمَا بِالْآخَرِ كَمَا جَاءَ فِي لَفْظِ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ دَخَلَ

عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِذَا النَّاسُ رَافِعِيْ أَيْدِيْهِمْ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَالِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ وَالَّذِيْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَالَ التَّسْلِيْمِ لَا يُقَالُ لَهُ اُسْكُنْ فِي الصَّلٰوةِ إِنَّمَا يُقَالُ ذَالِكَ لِمَنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ أَثْنَاءِ الصَّلٰوةِ وَهُوَ حَالَةُ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَنَحْوِ ذَالِكَ هٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ وَالرَّاوِيْ رَوٰى هٰذَا فِيْ وَقْتٍ كَمَا شَاهَدَهُ وَرَوَى الْآخَرَ فِيْ وَقْتٍ آخَرَ كَمَا شَاهَدَهُ وَلَيْسَ فِيْ ذَالِكَ بُعْدٌ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (نصب الرایہ جلد اول صہ ۳۹۳، صہ ۳۹۴)

ترجمہ: ان احادیث سے تمیم بن طرفہ کی حدیث ہے۔ وہ جابر بن سمرہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ پس فرمایا۔ میرے لئے کیا ہے۔ جو میں تمہیں ہاتھ اٹھاتے دیکھ رہا ہوں۔ گویا وہ شوخ گھوڑوں کی دمیں ہیں نماز میں سکون اختیار کرو۔ اس حدیث کو مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ اور بخاریؒ نے اپنی کتاب جزء رفعیدین میں اس پر اعتراض کیا ہے۔ پس کہا ہے۔ کہ بعض بے علم اس حدیث سے رفعیدین کی ممانعت پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ فعل (سلام) تشہد میں تھا۔ اور قیام میں نہ تھا۔ چنانچہ اس کی وضاحت عبداللہ بن قبطیہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ عبداللہ بن قبطیہ کہتے ہیں۔ میں نے جابر بن سمرہ رضؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو کہتے۔ السلام علیکم السلام علیکم اور اپنے ہاتھوں کے ساتھ دونوں جانب اشارہ کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اشارے کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ شوخ گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ تمہارے

ہر ایک کو یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے۔ پھر اپنے بھائی پر دائیں اور بائیں جانب سلام ڈالے۔ اور یہ قول مشہور ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں (کہ اس طرح سلام منع ہے)۔ اگر تمیم بن طرفہ کی حدیث میں التحیات سے سلام پھیرتے وقت رفعیدین مراد ہوتا۔ جیسے دوسروں کا خیال ہے۔ تو پھر عید کی تکبیرات میں بھی رفعیدین منع ہوتا کیونکہ (اس حدیث میں) آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی رفعیدین کو مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ بلکہ مطلق منع کیا ہے۔ بخاری کا کلام ختم ہوا۔ (اس کے بعد علامہ زیلعی رح فرماتے ہیں) اور عبداللہ بن قبطیہ کی یہ روایت بھی مسلم میں ہے (جیسے تمیم بن طرفہ کی مسلم میں ہے) اور نسائی میں بھی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو ہاتھوں کے ساتھ سلام کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ شوخ گھوڑوں کی دُمیں ہیں (آخیر حدیث تک) علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ کے جواب میں) کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ (تمیم بن طرفہ اور عبداللہ بن قبطیہ کی حدیث ایک نہیں ہے) الگ الگ دو ہیں۔ ایک دوسری کی تفسیر نہیں۔ چنانچہ پہلی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر داخل ہوئے۔ اور لوگ نماز میں اپنے ہاتھ اٹھا رہے تھے۔ پس فرمایا مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ گویا وہ شوخ گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز میں سکون کرو۔ اور جو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اس کو یہ نہیں کہا جاتا۔ کہ نماز میں سکون کرو (بلکہ) یہ لفظ اس کو کہا جاتا ہے۔ جو کہ درمیان نماز کے ہاتھ اٹھائے اور وہ رکوع و سجدہ وغیرہ کی حالت ہے۔ اور حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے اور راوی نے دونوں واقعے جیسے الگ الگ مشاہدہ کئے۔ ویسے الگ الگ بیان کر دیئے۔ اور اس میں کوئی بُعد نہیں۔ واللہ اعلم۔"

لہ بخاری نے پہلی حدیث کے الفاظ دَخَلَ عَلَيْنَا نقل نہیں کئے بلکہ اس کی جگہ خَرَجَ عَلَيْنَا نقل کیا ہے۔ یعنی ہم پر نکلے۔

اس عبارت میں علامہ زیلعی نے دو واقعہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ پہلی حدیث میں فِی الصَّلٰوۃِ کا لفظ چاہتا ہے کہ رفیعدین نماز کے اندر منع ہو۔ اور دوسری حدیث میں سلام کے وقت منع ہے۔ اور سلام کا وقت خروج (نماز سے نکلنے) کا وقت ہے پس معلوم ہوا کہ پہلی حدیث اور دوسری حدیث دو واقعہ ہیں۔ پہلی میں رکوع و سجود وغیرہ کے وقت رفع یدین سے منع فرمایا ہے۔ اور دوسری میں سلام کے وقت:

مجلس علمی علماء دیوبند نے اس عبارت کے حاشیہ میں دو واقعہ ہونے کی پانچ وجہیں لکھی ہیں۔ ایک یہی جو علامہ زیلعی ؒ نے لکھی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ پہلی حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) نکلے۔ گویا آپ ان کے ساتھ شامل نہیں بلکہ وہ اکیلے سنتیں وغیرہ پڑھ رہے ہیں۔ اور دوسری میں ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنا ذکور ہے۔ پس ضروری ہے کہ یہ دو واقعہ ہوں

تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی حدیث میں صرف انہی لوگوں کے رفعیدین کا ذکر ہے۔ جو آپ کے نکلنے سے پہلے مسجد میں تھے۔ خواہ وہ سارے ہوں یا اُن سے کچھ ہوں۔ اور دوسری حدیث میں سارے ہیں۔ جتنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوئے خواہ پہلے ہوں یا پچھلے:

چوتھی وجہ یہ ہے۔ کہ دوسری حدیث میں رفع اس طرح ہے۔ جیسے کوئی سلام کے وقت کسی سے مصافحہ کرتا ہے اور پہلی حدیث میں مصافحہ کی صورت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اکیلے اکیلے نماز پڑھ رہے ہیں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ پہلی حدیث میں مطلقاً نماز میں رفع سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ پہلی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ۔ یعنی نماز میں ٹھہرو۔ اور دوسری حدیث میں سلام کے وقت خاص اشارہ سے منع فرمایا ہے۔

حنفیہ کے اس استدلال کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے:۔

فَرَّمِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ

ترجمہ :۔ بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔" یعنی اپنے مذہب کا ایک مسئلہ ثابت کرنے کے لئے اپنے کئی مسائل کی مخالفت کی ہے۔

پہلا مسئلہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خُرُوج بِصُنْعِہٖ رکن نماز ہے یعنی التحیات کے بعد قصداً کوئی کام منافی نماز کرے۔ خواہ کسی سے بات کرے۔ یا السلام علیکم کہے یا گوز مارے (ہوا سرے) یا اس قسم کا کوئی اور کام کرے۔ تب اس کی نماز پوری ہوگی۔ جب خُرُوج بصُنعہ رکن ہوا۔ تو یہ نماز میں داخل ہوا۔ اور جب داخل ہوا۔ تو اس وقت ہاتھوں کے ساتھ اشارہ بھی نماز کے اندر ہوا۔ پس علامہ زیلعیؒ نے جو دو واقعہ ہونے کی وجہ بیان کی۔ وہ باطل ہو گئی۔

دوسرا مسئلہ تکبیرات عیدین میں رفعیدین ہے۔ حنفیہ اس کے قائل ہیں۔ تو اگر پہلی حدیث سے مطلقاً نماز میں رفعیدین منع ہو۔ تو تکبیرات عیدین میں بھی منع ہوگا۔ چنانچہ علامہ زیلعیؒ نے امام بخاریؒ سے اسی عبارت میں نقل کیا ہے

تیسرا مسئلہ وتر کی تیسری رکعت میں رفعیدین ہے حنفیہ کو چاہیئے۔ کہ یہ بھی چھوڑیں (دیدہ باید) اس موقعہ پر کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے ؂ ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

اس کے علاوہ اور دلائل سنئے۔ جو اس بات کی وضاحت کرتے ہیں۔ کہ سلام کا وقت نماز کے اندر ہے۔

پہلی دلیل ترمذی اور فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۲۵ میں ہے :۔

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسَلِّمُ فِی الصَّلٰوۃِ تَسْلِیْمَۃً وَّاحِدَۃً۔

ترجمہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ایک سلام کہتے۔"

اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے دو طرفی سلام کہتے ہیں۔ ایک طرف بھی کافی ہے۔ اس کی کیفیت حدیث میں یوں آئی ہے۔ کہ سامنے کی طرف سلام کہے۔ پھر تھوڑا سا منہ دائیں طرف کرے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ سلام کا وقت نماز کے اندر ہے۔ پس اس وجہ سے دو واقعہ بنانا غلط ہے

دوسری دلیل ابوداؤد میں ہے:۔
عَنْ سَمُرَةَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَاَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ
قَالَ الْقَارِیُّ اَیْ فِی الصَّلٰوةِ

یعنی سمرہ رض کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سلام پھیرنے کے وقت امام پر بھی سلام کی نیت کریں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کی بھی نیت کریں۔ ملا علی قاری رح کہتے ہیں۔ کہ اس سے سمرہ رض کی مراد وہ سلام ہے جو نماز کے اندر ہے۔ نہ ملاقات کا سلام "

تیسری دلیل مسند بزار میں ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔
وَاَنْ نُسَلِّمَ عَلٰى اَئِمَّتِنَا وَاَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الصَّلٰوةِ۔

یعنی نماز میں سلام پھیرتے وقت اماموں پر بھی سلام ڈالیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر بھی۔ یعنی سب کی نیت کریں"

چوتھی دلیل کتاب الام للشافعی جلد اول صفحہ ۱۰۵ باب قدر الجلوس فی الرکعتین الاولیین والآخریین والسلام فی الصلوٰۃ میں ہے:۔
اَخْبَرَنَا الرَّبِیْعُ قَالَ اَخْبَرَنَا الشَّافِعِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِیْمُ ابْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ

اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسَلِّمُ فِی الصَّلٰوۃِ اِذَا فَرَغَ مِنْهَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ ۔

ترجمہ :۔ ربیعؒ امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم کو ابراہیم بن محمدؒ نے خبر دی۔ ابراہیم کہتے ہیں مجھے اسمٰعیل بن محمدؒ نے خبر دی۔ وہ عامر بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ کہ آپ نماز میں دائیں بائیں سلام کہتے۔ جب کہ نماز سے فارغ ہوتے۔

نیز یہ حدیث کتاب الام باب السلام فی الصلوٰۃ میں بھی ہے۔ جو اسی صفحہ پہ ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ امام سراج بلقینی رح نے اس کی صراحت کی ہے (ملاحظہ ہو کتاب الام حاشیہ صفحہ مذکورہ) اس حدیث سے بھی ثابت ہوا۔ کہ سلام کا وقت نماز کے اندر رہے۔

اب دوسری وجوہات کا حال سنئیے جو مجلس علماء دیوبند نے پیش کی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے نکلے۔ تو اس وقت نہی کی۔ مگر اس وقت چونکہ سارے جمع نہ تھے۔ اس لئے جب آپؐ نے نماز پڑھائی۔ تو دوبارہ منع فرمایا تاکہ سب کو پتہ لگ جائے۔ چنانچہ علماء دیوبند نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ پہلی حدیث میں بعض کو نہی ہے۔ اور دوسری میں سب کو۔ اور راوی نے ایک نہی کا ذکر ایک شاگرد کے پاس کیا۔ دوسری کا دوسرے کے پاس۔

اس سے دوسری اور تیسری وجہ کا جواب ہو گیا۔ اور چوتھی وجہ کا جواب یہ ہے۔ کہ دائیں بائیں سلام پھیرنے کے وقت حاضرین کی نیت ہوتی ہے۔ خواہ نمازی ہوں یا فرشتے (کراماً کاتبین وغیرہ) چنانچہ صاحب ہدایہ نے اسی مقام میں اس کی تصریح کی ہے۔ نیز کہا ہے۔ کہ اکیلا نمازی صرف محافظ فرشتوں کی نیت کرے۔ پس پہلی حدیث میں بھی مقصا

والی حالت پیدا ہو گئی۔ کیونکہ یہاں حقیقۃً مصافحہ نہیں بلکہ تشبیہ ہے۔

رہی پانچویں وجہ سو اس کا مدار اس پر ہے کہ پہلے دو واقعہ ثابت ہوں کیونکہ ایک واقعہ ہونے کی صورت میں مطلق سے وہی خاص رفع مراد ہوگا۔ جو آپ نے آنکھوں سے دیکھا چنانچہ پہلی حدیث میں ہے۔ مَالِیْ اَرَاکُمْ رَافِعِیْ اَیْدِیْکُمْ (مجھے کیا ہے۔ کہ میں تمہیں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں) اور ظاہر ہے کہ جو دیکھا وہ خاص ہی صورت ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ دونوں حدیثوں میں تیز گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی ہے۔ جس سے مقصد اس حرکت کی برائی بیان کرنا ہے۔ گویا یہ نہی کی وجہ ہے۔ پس دونوں حدیثوں میں وہی حرکت منع ہوگی جس میں یہ تشبیہ ہے۔ نہ کہ مطلق۔ علاوہ اس کے مطلق کے تو حنفیہ بھی قائل نہیں چنانچہ دعا قنوت، تکبیرات عیدین وغیرہ میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے ابھی گذرا ہے۔

قارئین کرام :۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے متعلق مجلس علماء دیوبند لکھتی ہے۔ کہ امام ابو حنیفہؒ صاحب کی اسمبلی میں ہر وقت چالیس ایم۔ ایل حاضر رہتے تھے۔ اور ان کے مذہب کا ہر مسئلہ بڑی بحث و تمحیص کے بعد طے ہوتا۔ ملاحظہ ہو فہرست مقدمہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۱ مطبوعہ مجلس علم ڈابیل سورت (ہند)

اصل بات یہ ہے کہ حنفیہ کے پاس احادیث کا ذخیرہ کم ہونے کی وجہ سے قیاس و آراء سے کام لیا گیا۔ اور قیاس و آراء میں جو کچھ غلطیاں ہوتی ہیں۔ وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اور اسی سے حنفیہ اہل الرائے کہلائے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی گئی۔ کہ ایک امتی کے بجائے عقد میں رہیں۔ اور تقلید کا بندھن نہ ٹوٹے۔ اور اس کی داغ بیل درحقیقت شروع ہی میں پڑ چکی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ صاحب اکثر اپنے استاد حماد بن ابی سلیمانؒ کے اقوال سے نہیں نکلتے تھے۔ اور حمادؒ اپنے استاد ابراہیم نخعیؒ کے اقوال سے نہیں نکلتے تھے۔ یعنی ایک ایک امتی کے مذہب کا التزام کر رکھا

تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ایک امتی کے سینہ میں سارا علم نبی کا جمع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام شافعی نے اپنے رسالہ اصول میں اس کی تصریح کی ہے۔ بہر صورت یہ وجوہات ہیں۔ جن کی بناء پر تقلید کے دائرہ میں قرآن و حدیث کی پوری پابندی نہیں ہو سکتی۔

(۴) اہلحدیث اور احناف میں تورک کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ تورک کہتے ہیں دوسرے التحیات میں دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بیٹھنا حنفیہ کہتے ہیں۔ جیسے پہلے التحیات میں بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے میں بیٹھنا چاہیئے۔ اہلحدیث کہتے ہیں دوسرے میں تورک مسنون ہے۔ اس پر دلیل ابو حمید ساعدی رض کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ جو مشکوٰۃ باب "صفۃ الصلوٰۃ" میں ہے۔ دس صحابہ میں بیٹھ کر انہوں نے بیان کی۔ اس میں تورک کا ذکر ہے۔ حنفیہ (صاحب ہدایہ وغیرہ) اس کے دو جواب دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی اسناد میں عبدالحمید بن جعفر ایک راوی ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۲۲) دوسرے یہ بڑھاپے پر محمول ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے ہو گئے تھے۔ سہولت کے لئے تورک کرتے تھے۔ گویا یہ عذر کی بنا پر ہے سنت نہیں ہے۔

یہاں (پہلے جواب میں) عبدالحمید بن جعفر کو حنفیہ نے ضعیف کہا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود رض کی حدیث جو رفع یدین نہ کرنے کے متعلق مولوی ارشاد احمد نے پیش کی ہے اس میں عاصم بن کلیب راوی ہے۔ جو عبدالحمید کے مرتبہ کا ہے۔ (ملاحظہ ہوں کتب اسماء الرجال۔ تقریب التہذیب وغیرہ) اس کو حنفیہ ثقہ کہتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے۔ کہ دوسرا مسئلہ ان کے امام کا ہے۔ اور پہلا مسئلہ ان کے امام کا نہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک مرتبہ کے دو راویوں میں سے ایک کو ضعیف کہا جائے۔ اور ایک کو ثقہ۔ پھر لطف کی بات یہ ہے۔ کہ ابو حمید کی حدیث بخاری میں بھی ہے۔ اس میں عبدالحمید نہیں ملاحظہ ہو بخاری جلد اول باب سنۃ الجلوس فی التشہد صفحہ ۱۱۴۔ اور عبداللہ بن مسعود رض کی

حدیث کا بخاری میں نام و نشان تک نہیں۔ بلکہ صرف ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

ببیں تفاوت از کجاست تا بکجا

اب دوسرے جواب کا حال سنئے۔ ابو حمید ساعدی کی حدیث جو ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔ اس میں رفعیدین وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ اور جب تو ترک اخیر عمر میں ہوا۔ تو رفعیدین بھی اخیر عمر میں ہوا۔ تو پھر منسوخ کس طرح ہوا۔؟

۴۔ عام طور پر نماز میں دو طرفی سلام پھیرا جاتا ہے چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ اور بعض روایتوں میں ایک طرف سلام بھی آیا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے

اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ تَسْلِيْمَةً وَّاحِدَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ يَمِيْلُ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۵)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سامنے کی طرف ایک ہی سلام پھیرتے (تھوڑا سا) دائیں طرف جھکتے۔"

امام مالکؒ کا مذہب یہی ہے۔ اور اہلحدیث بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور یہ حدیث انسؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے (ملاحظہ ہو نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۴۳۳، ۴۴۴ و درایہ صفحہ ۹۰)

چونکہ حنفیہ کے نزدیک ایک سلام جائز نہیں۔ اس لئے صاحب فتح القدیر ابن الہمامؒ اس حدیث کا جواب دیتے ہیں۔ کہ مرد نماز میں امام کے قریب ہوتے ہیں۔ اور عورتیں دور ہوتی ہیں۔ اور نزدیک والے کو حال زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت (جس میں دو طرفی سلام کا ذکر ہے) حضرت عائشہؓ کی روایت پر مقدم ہے نیز بائیں طرف کا سلام دائیں طرف سے آہستہ ہوتا ہے۔ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ دور والے نے نہ سنا ہو۔"

ان دونوں جوابوں میں جو کچھ کمزوری ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت عائشہ رضؓ اکیلی نہیں۔ بلکہ حضرت انس رضؓ وغیرہ بھی اسکے راوی ہیں۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ وغیرہ) اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضؓ سلام کا نقشہ کھینچ کر بتا رہی ہیں۔ کہ سلام کہہ کر صرف دائیں طرف جھکے ہیں۔ اگر بائیں طرف بھی جھکتے۔ تو حضرت عائشہ وہ بھی بیان کرتیں۔

خیر یہاں تو حنفیہ نے عورت کی حدیث کو مرد کی حدیث کے مقابلہ میں رد کر دیا۔ مگر التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت میں عورت کو مردوں پر ترجیح دے دی۔

ہدایہ میں التحیات بیٹھنے کی کیفیت میں چار چیزیں بتلائی ہیں۔ (۱) بایاں پاؤں بچھانا۔ (۲) اس پر بیٹھنا (۳) دایاں پاؤں کھڑا کرنا (۴) اپنی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:۔

هٰكَذَا وَصَفَتْ عَائِشَةُ قُعُوْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یعنی حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی کیفیت اسی طرح بیان کی ہے۔"

اس پر صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں

اَلَّذِیْ فِیْ مُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ اِلٰى اَنْ قَالَتْ وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى

(فتح القدیر شرح ہدایہ ج اول صفحہ ۲۲۰)

ترجمہ:۔ جو کچھ مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع کرتے۔ اور جب التحیات بیٹھتے۔ تو بایاں پاؤں بچھا لیتے۔ اور دایاں کھڑا کر لیتے۔"

ایک سلام میں تو حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث کو اس لئے رد کر دیا۔ کہ عورتیں مردوں

سے دور رہتی ہیں۔ مگر یہاں التحیات بیٹھنے کی کیفیت میں حضرت عائشہ رض کی حدیث کو ترجیح دے دی۔ اور ابی حمید ساعدی رض کی حدیث جو دس صحابہ میں انہوں نے بیان کی۔ اور اخیر التحیات میں تورک کا ذکر کیا۔ وہ ترک کر دی۔ یہ ہے تقلید کا اثر۔ جیسے موقعہ ہوا۔ ویسے کام کر لیا۔ توازن قائم رہے یا نہ۔

پھر صاحب ہدایہ نے ایک ڈبل غلطی یہ کی ہے۔ کہ چار باتیں حضرت عائشہ رض کی طرف نسبت کر دیں۔ حالانکہ حضرت عائشہ کی حدیث میں صرف دو ہیں (ل) بایاں پاؤں بچھانا (ب) اور دایاں کھڑا کرنا۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے صاحب فتح القدیر نے ابن عمر رض کی حدیث نسائی سے ذکر کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ اَنْ يَّنْصِبَ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى وَاسْتِقْبَالُهٗ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوْسُ عَلَى الْيُسْرٰى

ترجمہ: "سنت نماز سے یہ بات ہے۔ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے۔ اور اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ اور بائیں پہ بیٹھے"

لیکن صاحب فتح القدیر نے اس میں ڈبل غلطی کی ہے۔ یہ حدیث پہلے التحیات سے متعلق ہے۔ کیونکہ موطا امام مالک رح میں ہے۔ کہ عبداللہ بن عمر رض اخیر التحیات میں دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔ اور بایاں پاؤں بچھا کر چوتڑوں پر بیٹھتے۔ اور یہ وہی تورک ہے۔ جو ابی حمید ساعدی کی حدیث میں ہے۔ صرف اس میں دایاں پاؤں کھڑا کرنے کا ذکر ہے۔ سو تورک دونوں طرح درست ہے۔ خواہ دایاں پاؤں کھڑا رکھے یا بچھا لے۔

پس یہ حدیث حنفی مذہب کی دلیل تو کیا ہو گی۔ تردید ہوئی۔ اور یہ ابن الہمام رح کا حال ہے۔ جو حنفی مذہب میں بڑے محدث اور مجتہد ہیں۔ اور انہی کی پیروی میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اپنے رسالہ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد کے صفحہ ۲۳، ۲۴ میں یہی

حدیث پیش کر دی۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ مقصد تو تقلید ہے۔ اور برائے نام دلائل[1] دیتے ہیں۔ تاکہ ظاہر کریں۔ کہ ہم بھی قرآن و حدیث پر عمل کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایک امتی کی تقلید کا التزام اور قرآن و حدیث پر عمل یہ جمع ہونے مشکل ہیں۔

صاحب ہدایہ کی ایک اور غلطی

حضرت عائشہ رض کی حدیث کا حوالہ دینے کے بعد فرماتے ہیں:۔

وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَبَسَطَ اَصَابِعَهٗ وَتَشَهَّدَ يُرْوٰى ذٰلِكَ فِيْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رض

ترجمہ:۔ التحیات میں دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیاں پھیلائے اور تشہد پڑھے یہ بات حدیث وائل بن حجر رض میں مروی ہے "

صاحب فتح القدیر کہتے ہیں۔ وائل بن حجر کی حدیث میں یہ نہیں۔ بلکہ اس کے الفاظ جو فقہ حنفی میں ہیں وہ یہ ہیں:۔

قُلْتُ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ لِلتَّشَهُّدِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى (فتح القدیر ج۱ ص۲۲۲)

ترجمہ:۔ وائل بن حجر رض کہتے ہیں۔ میں نے کہا (آج) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضرور دیکھوں گا۔ جب آپ التحیات بیٹھے۔ تو بایاں پاؤں بچھالیا۔ اور بایاں ہاتھ

---

[1] بلکہ خود مولوی اشرف علی لکھتے ہیں۔ مقلد محض تبرعاً (یعنی ایک زائد امر سمجھ کر) دلیل بیان کرتا ہے۔ اس کا استدلال قول مجتہد سے ہوتا ہے۔ (الاقتصاد صفحہ ۵۳) اسی طرح مولوی احمد علی صاحب بٹالوی ثم لاہوری نے اپنے رسالہ نور التشہد کے ص۱۳۲ میں مولوی رشید احمد گنگوہی سے نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ تعریف اہلحدیث حصہ ۲ ص۲ تا ص۱۲ ملاحظہ ہو۔

بائیں ران پر رکھ لیا۔ اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیا۔"

اس حدیث میں دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھنے کا ذکر نہیں۔ اور نہ انگلیاں پھیلانے کا ذکر ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کا حوالہ دینے میں غلطی کی۔ لیکن یہاں صاحب فتح القدیر نے بھی غلطی کی ہے کہ ترمذی سے اس کے الفاظ نقل کئے۔ اور ابوداؤد سے نقل نہیں کئے۔ حالانکہ اس میں دونوں ہاتھ کا دونوں رانوں پر رکھنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:

قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّيْ قَالَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَهُمَا مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ قَالَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا مِثْلَ ذٰلِكَ فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَ رَأْسَهُ بِذٰلِكَ الْمَنْزِلِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْأَيْمَنَ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقًا وَرَأَيْتُهُ يَقُوْلُ هٰكَذَا حَلَّقَ بِشْرٌ الْإِبْهَامَ وَالْوُسْطٰى وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ

(ابوداؤد باب رفع الیدین صفحہ ۱۱۲)

ترجمہ:۔ وائل بن حجر رضہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضرور دیکھوں گا۔ کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ پس آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ منہ قبلہ رُخ کیا۔ پس تکبیر کہی۔ پس کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔ پھر دائیں ہاتھ

سے بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ (یعنی ہاتھ باندھ لئے) پس جب رکوع کا ارادہ کیا۔ اس وقت بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھائے (جیسے نیت باندھنے کے وقت اٹھائے) پس جب رکوع سے سر اٹھایا۔ اس وقت بھی اسی طرح ہاتھ اٹھائے۔ پس جب سجدہ کیا۔ تو سر اسی انداز پر رکھا جس انداز پر رفعیدین کے وقت تھا۔ (یعنی سر رکھتے وقت ہاتھ کانوں کے برابر زمین پر رکھے) پھر التحیات بیٹھے۔ پس بایاں پاؤں بچھا لیا۔ اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا۔ اور دائیں کہنی دائیں ران سے اٹھائی (یعنی دایاں ہاتھ دائیں ران پر اس طرح کس کر رکھا۔ کہ کہنی ران سے بلند رہے) اور دو انگلیوں کا حلقہ بنا لیا۔ اور میں نے آپ کو دیکھا۔ کہ اس طرح اشارہ کرتے ہیں بشر (اس حدیث کے ایک راوی ہیں۔ انہوں) نے (اس کا مطلب بتاتے ہوئے) انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنایا۔ اور سبابہ (انگوٹھے کے ساتھ کی انگلی) سے اشارہ کیا۔"

اگر صاحب فتح القدیر ابوداؤد سے یہ الفاظ نقل کرتے۔ تو کم سے کم دونوں ہاتھوں کے متعلق (ہدایہ کا) حوالہ صحیح ہو جاتا۔ شاید ابوداؤد کے الفاظ اس لئے نہ نقل کئے ہوں کہ ان میں رفعیدین کا بھی ذکر ہے۔ اور رفعیدین حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ اور ترمذی سے اس لئے نقل کئے ہوں کہ ترمذی کے الفاظ سے حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث مذکورہ بالا کی تائید ہو جائے۔ اور یہ اعتراض رفع ہو جائے کہ عورتوں کی حدیث کو مردوں کی حدیث پر ترجیح دیدی۔ لیکن اس بنا پر صاحب ہدایہ کی یہ غلطی ہو گی کہ حضرت عائشہ کی حدیث کیساتھ وائل کی حدیث کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالہ "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" کے صفحہ ۷۳، ۷۴ میں حضرت عائشہ کی حدیث کے ساتھ ہی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے مولوی اشرف علی صاحب ہدایہ سے اچھے رہے۔ مگر ایک مشکل پھر بھی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا حضرت عائشہ رضؓ کی

حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نہ وائل رضؓ کی حدیث سے۔ البتہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ مگر وہ پہلے التحیات سے متعلق ہے چنانچہ ابھی ذکر ہوا ہے۔ اور حنفیہ کا مذہب ہے۔ کہ دوسرے التحیات میں بھی اسی طرح بیٹھے۔ اور باوجود اتنی کھینچ تان کے دلیل اس پر نہیں دے سکے۔ پھر وائل بن حجر کی حدیث کا ذکر کرکے ایک اور بوجھ اپنے اوپر لے لیا۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخیر عمر میں رفعیدین کرنا ثابت ہوتا ہے اور یہ حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ چنانچہ اوپر صفحہ ۔۔ میں تفصیل ہو چکی ہے۔ اور ترمذی کے الفاظ میں یہاں اگرچہ رفعیدین کا ذکر نہیں۔ مگر رفعیدین کے باب میں ترمذی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ اس میں رفعیدین بھی ہے۔ یہاں چونکہ التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت بیان کرنا مقصود تھی۔ اس لیے اتنا ٹکڑا ذکر کیا۔ جتنا التحیات میں بیٹھنے کے متعلق تھا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ حنفیہ التحیات کے متعلق بھی اس کو پیش نہ کرتے۔ یا رفعیدین کے بھی قائل ہو جاتے۔ مگر تقلید نوازن قائم نہیں رہنے دیتی۔ انا للہ .....

(۵) ابن الہمامؒ حنفیہ کے مجددین میں۔ شامی (ردالمختار) جلد ۴ صفحہ ۳۰۸ میں لکھا ہے۔

كَمَالُ بْنُ الْهُمَامِ بَلَغَ رُتْبَةَ الْاِجْتِهَادِ۔ یعنی ابن الہمامؒ مرتبۂ اجتہاد کو پہنچ گئے۔ باوجود اتنے بڑے ہونے کے ان پر بھی تقلید کا اثر کافی ہے جس سے تعصب ٹپکتا ہے۔

ابن عمرؓ کی بعض حدیثوں میں رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفعیدین کے ساتھ تیسری رکعت سے اٹھتے وقت بھی رفعیدین آیا ہے چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

وَاِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ كَذٰلِكَ حَذْوَ الْمَنْكِبَيْنِ۔

ترجمہ:۔ یعنی جب دو سجدوں سے کھڑے ہوتے تو اس وقت بھی رفعیدین کرتے۔

ابن الہمام رہ فتح القدیر جلد اوّل صفحہ ۲۱۹ میں اس حدیث سے رفعیدین کا منسوخ ہونا

ثابت کرتے ہیں فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں سجدوں سے کھڑے ہو کر رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ اور سجدوں سے کھڑے ہو کر رفع یدین کرنا بالاتفاق منسوخ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین منسوخ ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں دو سجدوں سے مراد دو رکعتیں ہیں۔ چنانچہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت میں سَجدَتَین کی جگہ رَکعَتَین کی صراحت ہے۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد باب افتتاح الصلوٰۃ مع باب رفع اور ملاحظہ ہو نسائی باب رَفعُ الیَدَینِ لِلقِیَامِ اِلَی الرَّکعَتَینِ الاُخرَیَینِ وغیرہ مطلب اس کا یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز میں جب دو رکعتیں پڑھ کر تیسری کے لئے اٹھتے تو اس وقت بھی رفع یدین کرتے۔ اور یہ بھی اسی طرح مسنون ہے جیسے کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت مسنون ہے۔ پھر ابن الھمام نے اس حدیث میں قام کے لفظ پر بھی توجہ نہیں کی۔ حالانکہ قام کا لفظ بتلا رہا ہے۔ کہ سجدتین سے رکعتین مراد ہے۔ کیونکہ اگر سجدے مراد ہوتے تو رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السَّجدَتَینِ کہتے۔ جیسے رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر کرتے ہوئے وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ کہا ہے۔

دیکھئے یہ کتنی بڑی ڈبل غلطی ہے۔ پہلے حدیث کا مطلب غلط بیان کیا۔ اور پھر اس پر ایک بہت بڑے مسئلہ کی بنا رکھدی یعنی کہ رفع یدین منسوخ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور سنئے:۔

(۷) التحیات دو طرح کے مشہور ہیں۔ ایک تو عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ جو عام طور پر لوگوں کو یاد ہے۔ اور ایک التحیات عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ
عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ سَلَامٌ
عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔

عبداللہ بن مسعود رضہ کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے ۔ اور عبداللہ بن عباس رضہ کی روایت مسلم النسائی وغیرہ میں ہے بخاری میں نہیں ۔

حنفیہ چونکہ عبداللہ بن مسعود رضہ کا التحیات لیتے ہیں اس بنا پر ابن الہمام رح فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۲۱ میں عبداللہ بن مسعود رضہ کے التحیات کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ وَاَعْلٰی دَرَجَاتِ الصَّحِیْحِ عِنْدَهُمْ مَا اتَّفَقَ عَلَیْهِ الشَّیْخَانِ

یعنی علماء کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث وہ ہے جس پر بخاری و مسلم متفق ہوں ۔

اب یہاں تو ابن الہمام رح نے بخاری و مسلم میں ہونے کی وجہ سے ترجیح دے دی ۔ لیکن رفعیدین کرنے کی حدیث بھی بخاری و مسلم میں ہے ۔ اور نہ کرنے کی نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں ۔ مگر باوجود اس کے یہاں ترجیح نہ کرنے کو دیتے ہیں ۔ یہ کس قدر تعصب اور بے انصافی ہے ۔ اور جب اتنے بڑے بڑے حضرات کا یہ حال ہے ۔ تو مولوی ارشاد احمد جیسوں پر کیا افسوس ہو سکتا ہے ۔ اناللہ ۔ خدا ہدایت کرے ۔

(۷) حنفیہ کے نزدیک نماز صرف حرکت کا نام ہے ۔ ہوا قیام کے اور قعود کے اور ایک آیت کے خواہ کسی زبان میں اس کا ترجمہ ہی ہو ۔ مثلاً سورۃ رحمٰن کی آیت مُدْهَآمَّتٰنِ کا ترجمہ فارسی میں " دو برگ سبز " پڑھے ۔ تو بھی فرض ادا ہو جائے گا ۔ اور قیام سے مراد رکوع سے اٹھ کر قیام نہیں ۔ بلکہ رکوع سے پہلا قیام مراد ہے ۔ کیونکہ رکوع سے بعد کا قیام حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ۔ اور قعود سے دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا مراد نہیں ۔ کیونکہ وہ حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ۔ بلکہ دوسرے التحیات میں بیٹھنا مراد ہے ۔ حنفیہ کے نزدیک التحیات کا پڑھنا فرض نہیں ۔ بلکہ جتنی دیر میں التحیات پڑھا جا سکتا ہے ۔ اتنا بیٹھنا فرض ہے ۔ بس اس قیام اور قعود اور ایک آیت کے ترجمہ کے سوا باقی تمام نماز حرکات ہیں ۔ نہ کچھ پڑھنا فرض ہے ۔ نہ کہیں سکون فرض ہے ۔ بلکہ جلدی جلدی نیچے اوپر ہوتا جائے ۔

تو اس سے فرض ادا ہو جائے گا۔ بلکہ زبان سے "دو برگ سبز" کہنا بھی ایک حرکت ہی ہے۔ بہر صورت اس میں شبہ نہیں۔ کہ حنفیہ کے نزدیک نماز کا اکثر حصہ حرکات ہیں۔ اب اس کو ذہن میں رکھ کر ابن الہمام کی غلطی سنئے:۔

فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۷۱ میں لکھتے ہیں۔ کہ رفعیدین نہ کرنا سکون ہے۔ جو نماز میں مطلوب ہے۔ کیونکہ اس میں خشوع ہے۔ اور رفعیدین کرنا یہ حرکت ہے۔ جو خشوع کے منافی ہے۔ اسلئے یہ منسوخ ہونا چاہیے۔

اب قارئین کرام غور کریں۔ کہ اگر مطلقاً حرکت خشوع کے منافی ہے۔ تو پھر قیام قعود کے سوا باقی حرکات خشوع کے منافی ہوئیں۔ اور اگر صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھانا خشوع کے منافی ہے۔ تو پھر وتروں میں اور تکبیرات عیدین وغیرہ میں حنفیہ کیوں رفعیدین کرتے ہیں۔ بلکہ لازم آتا ہے۔ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفعیدین بھی خشوع کے منافی ہو۔ حالانکہ وہ عین خشوع کا مقام ہے۔ ہاں حنفیہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ خشوع ہمارے نزدیک فرض نہیں۔ (اور واقعی مذہب بھی ان کا یہی ہے۔ کہ خشوع فرض نہیں۔ اس کے بغیر ان کے ہاں نماز ادا ہو جاتی ہے) تو اس بنا پر نماز کی ابتداء اگر ایسی چیز سے ہو جائے جو خشوع کے منافی ہے۔ تو اس کا کوئی حرج نہیں۔ مگر اس صورت میں ابن الہمام کی ساری تقریر ہی بیکار ہو جائے گی۔ کیونکہ ان کی تقریر کا دارومدار ہی خشوع پر ہے۔

قارئین کرام! یہ ہے تقلید کا چکر۔ جس میں بڑے بڑے الجھ رہے ہیں۔

لطیفہ یہاں امام ابوحنیفہؒ کو بھی ڈبل غلطی لگی ہے۔ جزء رفعیدین امام بخاری اور نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۴۰۷ میں (نقلاً عن) لکھا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگرد عبداللہ بن مبارکؒ کو رفعیدین کرتے دیکھا۔ تو کہا۔ میرے خیال میں تو اڑنے لگا تھا۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے جواب دیا۔ اگر میں تکبیر تحریمہ کے وقت نہیں اڑا۔ تو پھر کیا اڑتا تھا۔ امام وکیعؒ فرماتے ہیں خدا عبداللہ بن مبارکؒ پر رحم کرے۔ بڑے حاضر جواب تھے۔

امام ابو حنیفہؒ نے بھی اس کو خشوع کے منافی سمجھا جس کا جواب عبداللہ بن مبارکؒ نے تکبیر تحریمہ کے رفعیدین سے دیا جب امام کو غلطی لگی۔ تو مقلدین کو خود ہی لگنی تھی۔

یہاں امام ابو حنیفہؒ کے استاد ابراہیم نخعی کو بھی ڈبل غلطی لگی ہے۔ فتح القدیر کے اس مقام میں لکھا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کے پاس وائل بن حجرؓ کی حدیث کا ذکر ہوا۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفعیدین کرتے دیکھا ہے۔ تو ابراہیم نخعیؒ نے کہا۔ وہ جنگلی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک آدھ نماز پڑھی ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ جانتا ہے۔ جو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حالانکہ رفعیدین کے راوی اکیلے وائل بن حجرؓ نہیں۔ بلکہ اور بہت سے ہیں۔ دس گیارہ کا ذکر تو ابو حمید ساعدی کی حدیث میں ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں۔ جیسے مالک بن حویرث عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ۔ چنانچہ خود حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی التعلیق الممجد کے صفحہ ۹۱ میں لکھتے ہیں :-

إِنَّ رُوَاةَ الرَّفْعِ جَمٌّ غَفِيْرٌ وَرُوَاةَ التَّرْكِ جَمَاعَةٌ قَلِيْلَةٌ مَعَ عَدَمِ صِحَّةِ الطُّرُقِ عَنْهُمْ إِلَّا عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ۔

یعنی رفعیدین کرنے کے راوی صحابہ کی بہت بڑی جماعت ہے۔ اور نہ کرنیکے راوی تھوڑی سی جماعت ہے۔ باوجود اس کے نہ کرنے کی روایتوں کی کوئی سند بھی صحیح نہیں۔ سوا عبداللہ بن مسعودؓ کے۔

اور امام بخاری جزء رفعیدین میں لکھتے ہیں۔ کہ ابراہیم نخعی نے محض اٹکل سے یہ بات کہی ہے۔ کہ ایک دفعہ دیکھا۔ ورنہ وائل بن حجرؓ نے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہ کو رفعیدین کرتے دیکھا۔ اور دوبارہ سردیوں میں پھر تشریف لائے۔ تو دیکھا کہ آپ کے صحابہ چادروں کے اندر رفعیدین کرتے ہیں۔ اور امام بیہقی معرفتہ السنن میں امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ وائل بن حجرؓ کے قول کو لینا بہتر ہے۔ کیونکہ وہ جلیل

القدر صحابی ہیں۔ تو ان سے کم درجہ کے (ابراہیم نخعی ایسے) کے کہنے سے ان کی حدیث رد نہیں کی جا سکتی۔ خاص کر جبکہ ان کے ساتھ اور بہت سے (صحابہ) بھی ہیں۔

اور فقیہ ابوبکر بن اسحٰق کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پھر خلفاء راشدین سے۔ پھر دیگر صحابہ اور تابعین سے رفع یدین کی صحت ثابت ہے۔ تو پھر ابراہیم نخعی کا یہ خیال اس کے مقابلہ میں کس گنتی میں ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۹۷ تا ۴۰۲)

اور حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ میں لکھتے ہیں۔ کہ رفعیدین کرنے کی حدیث کو پچاس صحابہؓ نے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ (خلفاء اربعہ وغیرہ) بھی ہیں۔ اور امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "الازہار المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ" میں اس کو متواتر احادیث میں شمار کیا ہے۔ اور مولانا عبدالحیؒ لکھنوی مرحوم نے بھی کتاب "الفوائد البہیہ" کے صفحہ ۵۰ میں اس کو متواتر لکھا ہے۔ اور تعلیق الممجد کے صفحہ ۸۹ میں بھی اس کو متواتر لکھا ہے۔ اور علامہ مجدالدین صاحب "قاموس" بھی "سفر السعادت" کے صفحہ ۹۵ میں لکھتے ہیں۔ کہ رفعیدین کا ثبوت تقریباً تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ کیونکہ اس بارہ میں چار سو احادیث رسول اللہ اور آثار صحابہ صحیح سند سے مروی ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ یعنی وہ دس صحابہ جن کے نام نامی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ اور وہ یہ ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص سعید بن زید اور ابوعبیدہ بن الجراح (رضوان اللہ علیہم اجمعین) حاکم اور بیہقی کہتے ہیں۔ رفعیدین کے علاوہ کوئی سنت ایسی نہیں جس کی روایت پر عشرہ مبشرہ متفق ہوں۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی جلد اول صفحہ ۲۱۹، نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۸۰ طبع مصر، اور نصب الرایہ علامہ زیلعی جلد اول صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸۔ پس ابراہیم نخعی کا وائل بن حجر کو جنگلی کہہ کر ٹال دینا ٹھیک نہیں خدا بخشے۔

(۹) پھر یہاں تو وائل بن حجرؓ کو جنگلی کہہ کر ٹال دیا۔ لیکن یہ وہی جنگلی ہیں۔ جن کی حدیث کو

دونو التحیات میں ایک ہی طرح بیٹھنے کے مسئلہ میں دس گیارہ صحابہ کی حدیث کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے۔ حالانکہ التحیات کے مسئلہ میں ان کی حدیث میں ایک ہی طرح بیٹھنے کی کوئی تصریح نہیں۔ چنانچہ ابھی نمبر ۲ میں گذرا ہے۔ واقعی امتی کی تقلید میں توازن قائم نہیں رہ سکتا۔

تنبیہ وائل بن حجر بڑے جلیل القدر صحابی ہیں یمن کے بادشاہوں سے ہیں۔ جو فراست میں ضرب المثل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے۔ تاکہ نماز وغیرہ میں آپ کی ایک ایک حرکت کا مطالعہ کریں۔ مگر تقلید کے دائرہ میں حسب ضرورت کبھی تو ان کو موٹی عقل والے جنگلی بنا دیا جاتا ہے۔ اور کبھی ان کو اتنا بڑا شاہانہ دماغ دیا جاتا ہے۔ کہ اس کے مقابلہ میں معقول عشرہ بھی ہیچ ہیں۔

(۱۰) عبداللہ بن مسعود رکوع میں تطبیق کرتے یعنی گھٹنوں پر ہاتھ نہ رکھتے۔ بلکہ دونوں ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسری میں داخل کرکے دونوں ہاتھ ملا کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھتے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا ہے۔ اور مسلم اور نسائی وغیرہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھنے سے روکا۔ اور ہاتھوں پر مار کر ہٹایا۔ اور تطبیق کرکے بتلایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ اور سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں۔ یہ تطبیق کا حکم پہلے تھا۔ پھر ہم گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیئے گئے۔ ملاحظہ ہو مسلم نسائی وغیرہ۔

ابراہیم نخعی نے جو کہا ہے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود کو رفع یدین کا پتہ نہ لگا ہو۔ حالانکہ وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اس کے جواب میں قائلین رفع یدین کی طرف سے یہ تطبیق کی حدیث پیش کی جاتی ہے۔ کہ پتہ نہ لگنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا ان کو پتہ نہیں لگا۔ رفع یدین کا بھی پتہ نہیں لگا۔

حضرت علیؓ کا مذہب ہے۔ کہ تطبیق اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا دونوں جائز ہیں۔ چنانچہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ میں اس کی تصریح کی ہے۔

نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۲۲۹ (حاشیہ میں) حضرت علیؓ کی یہ روایت ذکر کرکے کہا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی حضرت علی والا مذہب ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا پتہ نہ لگا ہو۔ لیکن یہ حاشیہ لکھنے والے کی ڈبل غلطی ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے سے منع کرتے۔ چنانچہ ابھی گذرا ہے۔ تو پھر ان کا مذہب حضرت علیؓ والا مذہب کیسے ہو سکتا ہے۔ آخر یہی کہنا پڑیگا کہ ان کو گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا پتہ نہیں لگا۔

قارئین کرام! حاشیہ والے کا تعصب دیکھئے۔ کہ فتح الباری کے جس مقام سے حضرت علی کا مذہب نقل کیا ہے۔ وہیں عبداللہ بن مسعود سے منع کی روایت ہے لیکن تعصب نے ایک آنکھ بند کردی۔ انا للہ ......

تنبیہ قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے۔ کہ حاشیہ لکھنے والا کون ہے؟ علماء دیوبند کی ایک مجلس علمی ہے۔ جو مذہب حنفی کی خدمت کے لئے منتخب ہوئی ہے۔ جب ایسی ذمہ دارانہ جماعت کا یہ حال ہے۔ تو مولوی ارشاد احمد کی کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

اپنے مذہب کی پاسبانی کوئی بری چیز نہیں۔ مگر تعصب کرنا۔ اور دیانتداری کے خلاف قدم اٹھانا۔ یہ مذہبی پاسبانی نہیں۔ بلکہ خواہش نفسانی کی پاسبانی ہے۔

اس مجلس نے اسی جگہ ایسا نہیں کیا۔ بلکہ سب جگہ ان کی یہی عادت ہے۔ ایک دو مقام اور ملاحظہ ہوں:۔

مقام اول ابوحمید ساعدی کی حدیث (دس صحابہ والی) جو ابھی گذری ہے۔ اس کو امام طحاویؒ نے ضعیف کہا ہے۔ اور وجہ ضعف یہ بیان کی ہے۔ کہ

اس میں محمد بن عمرو بن عطا راوی ہے۔ اس نے ابی حمید ساعدی سے سنا نہیں۔ کیونکہ اس نے ذکر کیا ہے۔ کہ دس صحابہ میں ابو قتادہ بھی تھے۔ اور ابو قتادہ حضرت علی کی خلافت میں وفات پا گئے۔ اور حضرت علی نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور محمد بن عمرو مذکور کی عمر چھوٹی ہے۔ حضرت علی کی خلافت میں بلحاظ عمر کے موجود ہونا بعید ہے۔ نتیجہ یہ کہ دس صحابہ کی مجلس میں اس کی موجودگی صحیح نہیں۔ اور اس کی تائید میں امام طحاوی نے ایک روایت ذکر کی ہے۔ جس میں محمد کہتے ہیں۔ کہ مجھے ایک شخص نے خبر دی۔ کہ اس نے دس صحابہ کو پایا۔ جن کی آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق گفتگو ہوئی — اس سے معلوم ہوا۔ کہ محمد بن عمرو اس مجلس میں نہ تھے۔ پس یہ حدیث منقطع ہوئی۔ جو ضعیف کی قسم ہے۔

امام بیہقی نے اس کا جواب دیا ہے۔ کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں تصریح کی ہے۔ کہ محمد بن عمرو نے ابو حمید، ابو قتادہ اور ابن عباس سے سنا ہے۔ اور ابو قتادہ حضرت علی کے بعد حیات رہے۔ اور اہل تاریخ اس پر متفق ہیں۔ کہ ابو قتادہ نے ۵۴ھ میں وفات پائی ہے۔ اور حضرت علیؓ نے ۴۰ھ میں وفات پائی۔ اور جس روایت میں ابو قتادہ کے حضرت علیؓ کی خلافت میں وفات پانے کا ذکر ہے۔ وہ شاذ ہے جو ضعیف کی قسم ہے۔

یہ سب بحث تخریج زیلعی جلد اول صفحہ ۲۱۱، ۲۱۲ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس پر مجلس علمی علماء دیو بند لکھتی ہے:

قَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيصِ صفحہ ۱۶۰:—

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ صَلّٰى عَلٰى أَبِي قَتَادَةَ فَكَبَّرَ عَلَيْهِ سَبْعًا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ إِنَّهُ غَلَطٌ لِأَنَّ أَبَا قَتَادَةَ عَاشَ بَعْدَ ذٰلِكَ قُلْتُ هٰذِهٖ عِلَّةٌ غَيْرُ قَادِحَةٍ لِأَنَّهُ قَدْ قِيْلَ إِنَّ أَبَا قَتَادَةَ مَاتَ فِي خِلَافَةِ عَلِيٍّ وَهٰذَا هُوَ الرَّاجِحُ انْتَهٰى مَا قَالَ الْحَافِظُ (حاشیہ تخریج زیلعی)

ترجمہ :۔ حافظ ابن حجرؒ تلخیص کے صفحہ ۱۶۰ میں لکھتے ہیں۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ انہوں (علی) نے ابوقتادہ پر نماز جنازہ پڑھائی۔ پس ان پر سات تکبیریں کہیں۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔ اور کہا یہ روایت غلط ہے۔ کیونکہ ابوقتادہ حضرت علیؓ کے بعد زندہ رہے۔ میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں۔ غلط کہنے کی یہ وجہ معقول نہیں۔ کیونکہ کہا گیا ہے۔ کہ ابوقتادہ خلافت علی میں فوت ہوئے۔ اور ترجیح اسی کو ہے۔

مجلس علماء دیوبند نے جس تلخیص کے صفحہ ۱۶۰ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ اس تلخیص کے صفحہ ۱۸۳ میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ محمد بن عمرو دو ہیں۔ ایک محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص لیثی مدنی جو عطاف بن خالد کا استاد ہے۔ اس کی ملاقات ابوقتادہ سے نہیں ہوئی اور ایک محمد بن عمرو بن عطاء تابعی کبیر ہے۔ جو عبدالحمید بن جعفر کا استاد ہے۔ اس کی ملاقات ہے اس نے ابوحمید ساعدی وغیرہ سے خود سنا ہے۔ خواہ وفات ابوقتادہ خلافت علی میں ہوئی یا بعد میں۔ چنانچہ امام بخاری نے اس کے سماع کی تصریح کی ہے۔ اور اسی بنا پر اس کی روایت اپنی کتاب صحیح بخاری میں لائے ہیں۔ گویا طحاوی نے غلطی کی۔ کہ محمد بن عمرو ایک ہی سمجھ کر حدیث کو ضعیف لکھ دیا۔

قارئین کرام مجلس علماء دیوبند کی دیانتداری ملاحظہ فرمائیں۔ کہ حافظ ابن حجر ہی سے اس حدیث کا ضعف بیان کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہی اس کو صحیح کہہ رہے ہیں۔ اور پھر اسی کتاب میں۔ یہ ذمہ دار جماعت کا حال ہے۔ جو مذہب کی پاسبان ٹھہری ہے: انا للہ ....

مقام دوم

نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۴ میں ہے:۔

رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيْحِهِ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ۔

ترجمہ :۔ صحیح ابن خزیمہ میں وائل بن حجر سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس آپ نے دایاں ہاتھ بائیں پر سینہ پر رکھا۔"

علماء دیوبند نے اس پر دو اعتراض کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی سند میں مؤمل بن اسمٰعیل ہے۔ جو ضعیف ہے۔ حالانکہ مؤمل بن اسمٰعیل عاصم بن کلیب کے مرتبہ کا راوی ہے۔ جو عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے۔ جو ترک رفع یدین کے متعلق احناف پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ــ تقریب التہذیب حافظ ابن حجر وغیرہ ــ ایک ہی مرتبہ کے دو راویوں سے ایک کو ضعیف کہنا۔ اور ایک کو ثقہ۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ تقلید کا بندھن نہ ٹوٹے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا۔ اگر صحیح ہوتی۔ تو ابن خزیمہ ضرور اس کو صحیح کہتے۔ دلیل اس کی یہ ہے۔ کہ حافظ ابن حجر بلوغ المرام اور فتح الباری وغیرہ میں یہ حدیث لائے ہیں۔ اور ان کی عام عادت ہے۔ کہ جب ابن خزیمہ کی کوئی حدیث لاتے ہیں۔ تو بہت جگہ ساتھ ہی کہتے ہیں۔ کہ ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح شرح مہذب وغیرہ میں امام نووی کی عادت ہے۔ مگر اس حدیث کے ساتھ حافظ ابن حجر نے ابن خزیمہ کے صحیح کہنے کا ذکر کیا ہے۔ نہ امام نووی نے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خزیمہ کا حال مستدرک حاکم اور ترمذی کی طرح ہے۔ جہاں وہ صحیح کہیں۔ وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اور جہاں سکوت کریں۔ سو وہ ضروری نہیں کہ ان کے نزدیک صحیح ہو۔

اس کی مزید وضاحت

فتح المغیث شرح الفیہ عراقی میں ہے۔ کہ ابن خزیمہ کئی حدیثوں پر صحت کا حکم لگاتے ہیں۔ مگر وہ درجہ حسن سے آگے نہیں بڑھتیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن خزیمہ بخاری مسلم کی طرح نہیں۔ کہ صرف کتاب میں لانا ہی صحت حدیث کی دلیل ہو۔ بلکہ حدیث پر صحت کا حکم الگ لگاتے ہیں۔ اور کبھی کسی حدیث کی صحت میں شک ہوتا ہے۔ تو اس کا اظہار کر دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے قول مسدد میں ابن خزیمہ کی ایک حدیث ذکر کرکے جس میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق راوی ہے۔ ابن خزیمہ کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

فِی الْقَلْبِ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ کَمَا عَلٰی - یعنی عبدالرحمٰن کے متعلق دل میں کچھ شبہ ہے"

کہ یہ راوی ٹھیک نہیں :

اور کبھی دفعہ ابن خزیمہ ایک حدیث پر سکوت فرماتے ہیں - اور درحقیقت وہ ضعیف

ہوتی ہے - چنانچہ علامہ زیلعی نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۲۵ میں فرماتے ہیں :-

حَدِیْثٌ اٰخَرُ اَخْرَجَہُ ابْنُ خُزَیْمَۃَ فِیْ صَحِیْحِہٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ فِی الْفَاتِحَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ وَعَدَّھَا اٰیَۃً

ترجمہ :- بسم اللہ نماز میں بلند آواز سے پڑھنے کے متعلق ایک اور حدیث ہے -

جو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ام سلمہ سے روایت کی ہے - کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

بسم اللہ فاتحہ میں نماز کے اندر پڑھی - اور اس کو ایک آیت شمار کیا"

اور یہ وہی حدیث ہے جس کو مستدرک حاکم صفحہ ۲۳۲ جلد اول میں ابن خزیمہ کے طریق

سے روایت کیا ہے - اور اس میں ایک راوی عمر بن ہارون ہے جس کے متعلق ذہبی لکھتے

ہیں - کہ اس کے ضعف پر اجماع ہے - اور نسائی کہتے ہیں - یہ متروک (اس کو محدثین نے

ترک کر دیا) ہے"

اس سے بھی معلوم ہوا - کہ ابن خزیمہ جب تک صحت کا حکم نہ لگائیں - یہ ضروری نہیں

کہ وہ حدیث صحیح ہو - پس کتاب ابن خزیمہ کو ترمذی اور نسائی کی طرح سمجھنا چاہئے اور صرف

ان کے سکوت سے صحت نہیں سمجھ لینی چاہیے جس سے یہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث

بھی ہے -

یہ علماء دیوبند کی تقریر کا خلاصہ ہے - ملاحظہ ہو حاشیہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۵

مگر علماء دیوبند نے یہاں بڑا مغالطہ دیا ہے - ابن خزیمہ نے صحت کی شرط کی ہے - جیسے

بخاری و مسلم وغیرہ نے صحت کی شرط کی ہے - اور ترمذی نے صحت کی شرط نہیں کی بلکہ

وہ صحیح ضعیف ہر قسم کی احادیث لاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ عام طور پر اکیلی ترمذی کو صحیح ترمذی نہیں کہتے ۔ ہاں دوسری کتابوں کے ساتھ ملا کر اکثر احادیث کی بناء پر صحاح ستہ کہتے ہیں ۔ برخلاف ان کتابوں کے جن میں صحت کی شرط ہے ۔ ان اکیلی اکیلی کو صحیح کہتے ہیں جیسے صحیح بخاری صحیح مسلم صحیح ابن حبان ، صحیح ابو عوانہ ، صحیح ابوالسکن وغیرہ وغیرہ ۔ اور اسی طرح صحیح ابن خزیمہ ہے ۔ چنانچہ علامہ زیلعی کی عبارت میں ابھی گذرا ہے ۔ پس ان بزرگوں کا اپنی کتابوں میں کسی حدیث کو لانا اور سکوت کرنا ہی صحیح کہنا ہے ۔ ورنہ صحت کی شرط کا فائدہ کیا ۔ ہاں مستدرک حاکم میں باوجود صحت کی شرط کے جگہ جگہ صحت کا ذکر ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ اس کا بخاری و مسلم دونوں کے ساتھ تعلق ہے ۔ یعنی اس میں شرط ہے ۔ کہ جو بخاری مسلم سے احادیث رہ گئی ہیں ۔ اور ان کی شرط پر صحیح ہیں ۔ اس میں وہ بیان ہوں گی اب اس میں یہ تفصیل کرنی پڑتی ہے ۔ کہ فلاں بخاری کی شرط پر صحیح ہے ۔ اور فلاں مسلم کی اور فلاں دونوں کی شرط پر ۔ برخلاف صحیح ابن خزیمہ کے اس کا کسی دوسری کتاب سے کوئی تعلق نہیں ۔ بلکہ وہ بخاری مسلم وغیرہ کی طرح ہے ۔ پس صحیح ابن خزیمہ کو مستدرک حاکم اور ترمذی پر قیاس کرنا اول مغالطہ ہے ۔ "

مقدمہ ابن الصلاح (اصول حدیث کی مشہور کتاب) میں ہے :۔

ولا یکفی فی ذلک مجرد کونہ موجودا فی کتاب ابی داؤد
کتاب الترمذی وکتاب النسائی وسائر من جمع فی کتابہ
بین الصحیح وغیرہ ویکفی مجرد کونہ موجودا فی کتاب
من اشترط منہم الصحیح فیما جمعہ ککتاب ابن خزیمۃ وکذلك
مایوجد فی الکتب المخرجۃ علی کتاب البخاری وکتاب مسلم
ککتاب ابی عوانۃ الاسفرائنی وکتاب ابی بکر الاسماعیلی
وکتاب ابی بکر البرقانی وغیرھا من تتمۃ المحذوف او

زیادۃ شرح فی کثیر من احادیث الصحیحین (مقدمہ ابن الصلاح ملا)

ترجمہ:۔ ابوداود و ترمذی و نسائی میں اور باقی کتب میں جن کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح حدیثیں جمع کی ہیں۔ کسی حدیث کا ہونا صحت کیلئے کافی نہیں اور جن مصنفین نے اپنی کتب میں صحت کی شرط کی ہے۔ انکی کتابوں میں کسی حدیث کا ہونا صحت کیلئے کافی ہے۔ جیسے کتاب ابن خزیمہ اور ایسے ہی کسی حدیث کا ان ۴ لئے کافی ہے۔ جیسے کتاب ابی عوانہ الاسفرائنی اور کتاب ابی بکر اسمٰعیلی اور کتاب ابی بکر برقانی وغیرہ۔ یہ محدثین بخاری مسلم کی احادیث کو اپنی اسانید سے روایت کرتے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم کا واسطہ نہیں ہوتا اور ان کا مقصد بخاری مسلم کی احادیث میں کمی بیشی کو بیان کرنا ہے۔ مثلاً بخاری مسلم کی حدیث میں کوئی محذوف ہے۔ اس کو پورا کر دیا۔ یا کوئی زیادتی بخاری مسلم سے رہ گئی جس سے مطلب حدیث کی وضاحت ہوتی ہو۔ اس کو ذکر کر دیا۔ ایسا کرنے کو تخریج یا استخراج کہتے ہیں۔

اور اس بنا، پر ان کتابوں کا نام مستخرجات ہے۔

۴ کتابوں میں ہونا جو بخاری مسلم پر بطور تخریج لکھی گئی ہیں صحت

اس عبارت میں صراحت ہے۔ کہ کتاب ابن خزیمہ ترمذی کی طرح نہیں۔ بلکہ اس میں (بخاری مسلم کی طرح) صحت کی شرط ہے۔ الگ صحت بیان کرنے کی ضرورت نہیں؛ الفیہ عراقی اور اس کی شرح فتح المغیث میں اس کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں:

وخذ ایها الطالب بعد ماتقرر لك ان الشیخین لم یستوعباه (زیادة الصحیح) المشتمل علی شرطهما وغیره مما حکوله بالصحة اذا ای حیث تنص صحته من امام معتمد کابی داود الترمذی والنسائی والدارقطنی والخطابی والبیهقی وغیرهم من اصحاب الکتب الشهیرة فیها وکذا فی غیرها انما صح الطریق الیهم کما اذا وجد ذلك

عن يحيیٰ بن سعيد القطان وابن معين وغيرهما ممن لم
يعتمولهم تصنيف خلافا لابن الصلاح فيما عدا الكتب الشهيرة
بناء على مذهبه من عدم امكان التصحيح فی الازمان
المتاخرة لاستلزامه الحكم على السند الموصل اليهم
بالصحة وما وقع فی كلام النووی رحمه الله من التقييد
بالتصانيف تبعا لابن الصلاح كانه للاكتفاء بما صححوه من
عدم الامكان ثم انه لا انحصار لاخذ الزيادة فيما سبق
بل لو خذ اما منه او من مصنف بفتح النون يختص
بجمعه اى الصحيح بمقتضى ما عند مصنفه نحو صحيح
ابی حاتم ابن حبان الزكى ...... وابن خزيمة وكالمستدرك
على تساهل وقال ابن الصلاح ما انفرد فذاك حسن مالم
يرد علته والحق ان يحكم ...... بما يليق والبستى
يدانى الحاكم فی التساهل وذلك يقتضى النظر فی
احاديثه ايضا لانه غير متقيد بالمعدلين بل ربما يخرج
للمجهولين لاسيما ومذهبه ادراج الحسن فی الصحيح
مع ان شيخنا قد نازع فی نسبته الى التساهل الامن هذه
الحيثية وعبارته ان كانت باعتبار وجدان الحسن
فی كتابه فهی مشاحة فی الاصطلاح لانه يسميه صحيحا
وان كانت باعتبار خفة شروطه فانه يخرج فی الصحيح
ما كان راويه ثقة غير مدلس سمع ممن فوقه وسمع
منه الاخذ عنه ولا يكون هناك ارسال ولا انقطاع

وإذا لم يكن في الراوي جرح ولا تعديل وكان كل من شيخه والراوي عنه ثقة ولم يأت بحديث منكر فهو عنده ثقة وفي كتاب الثقات له كثير ممن هذه حاله ولأجل هذا ربما اعترض عليه في جعلهم من الثقات من لم يعرف اصطلاحه ولا اعتراض عليه فإنه لا يشاحح في ذلك قلت ويتأيد بقول الحازمي ابن حبان أمكن في الحديث من الحاكم وكذا قال العماد بن كثير قد التزم ابن خزيمة وابن حبان الصحة وهما خير من المستدرك بكثير وأنظف أسانيد ومتونا وعلى كل حال فلا بد من النظر للتمييز وكم في كتاب ابن خزيمة أيضا من حديث محكوم منه بصحته وهو لا يرتقي عن رتبة الحسن (الفية العراقی مع شرح فتح المغیث ص۱۴ مختصرا)

خلاصہ ترجمہ :- جب معلوم ہو چکا کہ بخاری مسلم نے صحیح احادیث کا احاطہ نہیں کیا تو پھر ان کے علاوہ صحیح حدیث جو ان کی شرط وغیرہ پر ہو اس کا پتہ کس طرح لگ سکتا ہے۔ سو اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی ائمہ محدثین سے اس کی صحت کی صراحت کر دے۔ جیسے امام ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارقطنی، خطابی اور بیہقی وغیرہ خواہ وہ صراحت ان کی تصانیف مشہورہ میں ہو یا کسی بعد کتاب میں نقل ہوئی ہو جب کہ نقل کی سند صحیح ہو۔ جیسے یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین وغیرہ سے کسی کتاب میں صحیح سند سے نقل ہوئی ہو جن کی کوئی تصنیف مشہور نہیں۔ مگر ابن الصلاح تصانیف مشہورہ کی شرط کرتے ہیں۔ خواہ وہ تصنیف مشہور اس امام کی ہو جس نے صحت کی صراحت کی ہے یا کسی اور امام کی ہو) کیونکہ ابن الصلاح کے نزدیک پچھلے زمانہ

میں بعد زمانہ کی وجہ سے کسی حدیث کی صحت کا پتہ لگانا مشکل ہے جب تک کہ کسی امام کی مشہور کتاب میں نہ ہو۔ اس لئے کہ متاخرین کی تصحیح کا اعتبار نہیں۔ (اور جب ان کی تصحیح کا اعتبار نہ ہوا۔ تو متقدمین کی تصانیف مشہورہ کے بغیر صحت نقل کا علم نہیں ہو سکتا) اور امام نووی کے کلام میں جو ابن الصلاح کی تابعداری کرتے ہوئے تصانیف کی قید لگائی گئی ہے۔ اس سے مراد بھی یہی ہے۔ کہ بعد کے زمانہ میں تصحیح ممکن نہیں۔ گویا تصانیف مشہورہ ہی میں صحت کی صراحت معتبر ہے۔ خواہ مصنف خود کرے یا کسی اور امام سے نقل کرے۔ اور دوسرا طریقہ صحیح حدیث (جو بخاری مسلم میں نہیں اس کے صحیح) معلوم کرنیکا یہ ہے۔ کہ جس کتاب کی وہ حدیث ہے۔ وہ بخاری ومسلم کی طرح) صحیح احادیث جمع کرنے کے لئے خاص کی گئی ہو۔ یعنی اس کے مصنف نے صحیح احادیث جمع کرنے کی شرط کی ہو۔ جیسے صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم۔ مگر مستدرک حاکم کی صحت میں کچھ تساہل (کمزوری) ہے۔ اور ابن الصلاح ...... (کمزوری بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں۔ کہ جب حاکم کسی حدیث کو صحیح کہنے میں اکیلا ہو جائے تو وہ (کم سے کم) حسن درجہ کی ضرور ہوتی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ہر موقعہ پر مناسب حکم لگانا چاہیئے (یہ ضروری نہیں کہ وہ حسن ہی ہو۔ بلکہ بعض دفعہ وہ ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہے۔) اور ابن حبان بھی تساہل میں حاکم کے قریب ہیں۔ (اگرچہ کم ہیں) پس ان کی احادیث میں بھی غور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ثقہ راویوں کے علاوہ مجہول راویوں سے بھی روایت کرتے ہیں۔ خاص کر جبکہ ابن حبان کا مذہب ہے۔ کہ وہ حسن کو بھی صحیح میں شامل کرتے ہیں۔ تو حسن صحیح کی تمیز کے لئے بھی ان کی احادیث میں غور کرنا ضروری ہوا مگر ہمارے استاد (حافظ ابن حجرؒ) نے ابن حبان کی طرف تساہل کی نسبت کرنے سے انکار کر دیا۔ ہاں اتنا تساہل ہے۔ کہ حسن کو صحیح میں شامل کر دیا۔ حافظ ابن حجر کی اصل عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے: اگر تساہل کی نسبت حسن کو صحیح میں شامل کرنے کی وجہ سے

ہے۔ تو یہ ان کی اصطلاح ہے۔ اصطلاح پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اور اگر شرط کی ڈھیلی ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو بھی کوئی اعتراض والی چیز نہیں کیونکہ جن راویوں کو مجہول کہا گیا ہے۔ ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کتاب میں ثقہ، غیر مدلس راوی کی حدیث لاتے ہیں۔ جس نے اپنے استاد سے سنا ہو اور اس کے شاگرد نے بھی اس سے سنا ہو۔ اور وہ حدیث مرسل یا منقطع نہ ہو۔ اور جس راوی کے متعلق محدثین کا سکوت ہو کسی نے اس کو اچھا یا بُرا نہیں کہا۔ اور اس کا شاگرد اور استاد ثقہ ہوں۔ اور اس کی کوئی منکر روایت ثابت نہ ہوئی ہو۔ تو وہ ان کے نزدیک ثقہ ہے۔ ان کی کتاب "کتاب الثقات" میں ایسے راوی بہت ہیں جن کی یہ حالت ہے اور اس وجہ سے کئی لوگوں نے جو ان کی اصطلاح سے ناواقف ہیں۔ ایسے راویوں کو ثقات میں شمار کرنے پر اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ اصطلاح پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ میں (مصنف فتح المغیث) کہتا ہوں۔ حافظ ابن حجر کے خیال کی تائید حازمی کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ ابن حبان حاکم سے حدیث کے بارہ میں زیادہ مضبوط ہیں۔ اور اسی طرح عماد ابن کثیر نے فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحت کی شرط کی ہے۔ اور یہ دونوں بدرجہا حاکم سے بہتر ہیں۔ اور ان کی اسانید اور متون احادیث عیوب سے بہت صاف ہیں۔ اور بہرحال (صحیح حسن کی) تمیز کیلئے ان کی احادیث پر غور کرنا ضروری ہے۔ اور کتاب ابن خزیمہ میں کئی احادیث ایسی ہیں جن پر صحت کا حکم لگایا گیا ہے۔ مگر حسن کے درجہ سے آگے نہیں بڑھتیں۔"

اس عبارت میں دو جگہ صراحت ہے۔ کہ صحیح ابن خزیمہ میں صحت کی شرط ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ صحت کی شرط بھی صحت کا حکم ہے۔ کیونکہ حکم سے مراد صحت کا بیان ہے۔ اور صحت کا بیان دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ محدث حدیث ذکر کرکے کہدے کہ یہ صحیح ہے۔ دوم یہ کہ صحت کی شرط کر دے۔ کہ جو حدیث میں اس کتاب میں لاؤں گا صحیح ہوگی۔ گویا یک لخت

سب احادیث پر صحت کا حکم لگا دیا۔ اس عبارت میں دونوں قسموں کا مفصل بیان ہے صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم کو قسم دوم میں شامل کیا ہے۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی مرحوم نے بھی اپنی کتاب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی میں اس بات کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

فان قلت لما ثبت ان البخاری ومسلما لم یستوعبا الصحیح من این یعرف الصحیح الزائد قلت یعلم ذلک من نص امام معتمد علی صحته کابی داؤد والترمذی والنسائی والدارقطنی والخطابی والبیہقی وقیده ابن الصلاح بمصنفاتہم والاصح ما ذکره العراقی انه لیس بقید فانه اذا صح الطریق الیہم انہم صححوه ولو فی غیر مؤلفاتہم او صححه من لم یشتہر له مصنف من الائمة کیحیی بن سعید القطان وابن معین ونحوهما فالحکم کذلک علی الصواب ولو خذنا الصحیح ایضا من المصنفات المختصة بجمع الصحیح فقط کصحیح ابی بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمة وصحیح ابی حاتم محمد بن حبان البستی المسمی بالتقاسیم والانواع وکتاب المستدرک علی الصحیحین لابی عبدالله الحاکم وکذلک ما یوجد فی المستخرجات علی الصحیحین من زیادة او تتمة المحذوف۔

(ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی ص ۹۶)

ترجمہ :۔ پس اگر تو کہے کہ جب بخاری مسلم نے ساری صحیح احادیث کا احاطہ نہیں کیا تو باقی صحیح احادیث کا پتہ کس طرح لگے گا۔ تو میں کہوں گا۔ کسی معتبر امام کی کسی حدیث کے متعلق صحت کی تصریح کرنے سے پتہ چلے گا۔ جیسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارقطنی

خطابی بیہقی۔ ابن صلاح نے قید لگائی ہے۔ کہ صحت کی تصریح ان کی تصانیف میں ہو لیکن زیادہ صحیح وہ ہے جیسے عراقی نے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ قید ضروری نہیں۔ بلکہ جب کسی حدیث کی صحت ان سے صحیح سند سے ثابت ہو خواہ کسی اور کی تصنیف میں ہو یا کسی ایسے امام نے صحت حدیث کی تصریح کی ہو جس کی کوئی تصنیف مشہور نہیں۔ جیسے یحیی بن سعید القطان اور ابن معین وغیرہ تو یہ صحت بھی اسی طرح معتبر ہے جیسے ان اماموں کی معتبر ہے جنہوں نے اپنی تصنیفات میں صحت کی تصریح کی ہے۔ حق مذہب یہی ہے۔ اور صحت حدیث کا پتہ ان مصنفات سے بھی لگ سکتا ہے جنہوں نے صرف صحیح حدیثیں جمع کرنے کا التزام کیا ہے جیسے صحیح ابی بکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمہ اور صحیح ابی حاتم محمد بن حبان بستی جو التقاسیم والانواع کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح کتاب مستدرک علی الصحیحین جو ابو عبداللہ حاکم کی تصنیف ہے۔ اسی طرح وہ روایتیں بھی صحیح ہیں۔ جو مستخرجات علی الصحیحین میں پائی جاتی ہیں۔ جیسے کوئی زیادتی یا تتمہ کسی محذوف کا۔"

اس عبارت میں صحت حدیث معلوم کرنے کے وہی دو طریقے بتلائے گئے ہیں۔ جو اوپر کی عبارت میں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی معتبر امام نے صحت کی تصریح کی ہو۔ خواہ یہ تصریح کسی اور کی کتاب میں نقل کی ہو۔ دوسرے یہ کہ امام نے اپنی کتاب میں صحیح احادیث لانے کی شرط کی ہو۔ پس اسی سے صحت حدیث ثابت ہو جائے گی۔ ہر حدیث کے ساتھ صراحت کی ضرورت نہیں۔ اور اس قسم سے صحیح ابن خزیمہ بھی ہے۔ پس علماء دیوبند کا صحیح ابن خزیمہ کو ترمذی کی طرح کہنا یہ زبردست مغالطہ ہے۔ جو مجلس علمی کے لائق نہیں۔ خدا معاف کرے۔

رہا حافظ ابن حجر وغیرہ کا بہت جگہ ابن خزیمہ کی تصحیح کی صراحت کرنا سو اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر تصحیح کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ ابن خزیمہ

کی مشہور کتاب میں نہیں ہوتی۔ جس میں صحت کی شرط ہے۔ جس کو صحیح ابن خزیمہ کہتے ہیں۔ بلکہ کسی اور کتاب میں ہوتی ہے۔ یا ان کی کسی کتاب میں نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی اور کی کتاب میں ان سے اسکی تصحیح مروی ہوتی ہے۔ جیسے ابھی ظفر الامانی کی عبارت میں گذرا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ جیسے بخاری میں تعلیقات ہیں۔ اور ان کی صحت ضروری نہیں۔ ایسے ہی ابن خزیمہ میں بھی تعلیقات ہیں۔ ان کے متعلق اگر ابن خزیمہ سکوت کریں۔ تو ان کا صحیح ہونا ضروری جب تک ابن خزیمہ میں صحت کا بیان نہ ہو چنانچہ علامہ محمد حیات سندھی اپنے رسالہ "فتح الغفور فی تحقیق وضع الیدین علی الصدور" کے اخیر میں علامہ قاسم بن قطلوبغا اور حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ سو حافظ ابن حجر کے کلام (بلوغ المرام اور فتح الباری وغیرہ) میں کسی جگہ ان احادیث کی تصحیح مراد ہوتی ہے۔ جو ان کی مشہور کتاب میں نہیں ہوتی۔ اور اسی بنا پر بہت جگہ رواۃ نہیں کہتے۔ اور صرف تصحیح کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کبھی انہی تعلیقات کی تصحیح مراد ہوتی ہے۔ جو ان کی اس کتاب میں ہوتی ہیں۔ اور ہمارے پاس بلوغ المرام کا ایک پرانا نسخہ جو آج سے ۷۳ سال پہلے لاہور میں ۱۳۰۵ھ کا طبع شدہ ہے اس میں اخرجہ ابن خزیمہ کے بعد وصححہ بھی ہے۔ اس بنا پر سارا جھگڑا ہی ختم ہوگیا خواہ اس تصحیح کا مطلب یہ ہو کہ یہ ان احادیث سے ہے جن کی تصحیح کی ابن خزیمہ نے شرط کی ہے۔ اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ یہ تعلیقات سے ہے۔ اور اس کی تصحیح الگ بیان کی ہے۔ اور اس نسخہ کی تائید امام شوکانی اور ابن سید الناس کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔

علامہ محمد حیات سندھی اپنے رسالہ فوز الکرام میں لکھتے ہیں۔ کہ ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں وائل بن حجر کی یہ حدیث ذکر کرکے "صححہ" کہا ہے۔ چنانچہ فوز الکرام کی اصل عبارت آگے آتی ہے۔

اور امام شوکانی نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۸۷ میں فرماتے ہیں:۔

وَاحْتَجَّ الشَّافِعِيُّ بِمَا اَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيْحِهِ وَصَحَّحَهُ

یعنی امام شافعی نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بابت اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو ابن خزیمہ اپنی صحیح کتاب میں لائے ہیں۔ اور اس کی تصحیح کی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ وائل بن حجر کی یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے۔ ایک میں مؤمل بن اسمٰعیل راوی ہے۔ اس کی احادیث حسن درجہ کی ہوتی ہیں۔ کیونکہ حسن حدیث کا درجہ صحیح حدیث سے کچھ کم ہے۔ اور وجہ اس کی یہی ہے۔ کہ حسن کے راوی میں کچھ کمزوری ہوتی ہے۔ اور مؤمل بن اسمٰعیل ایسا ہی ہے۔ تقریب میں ہے:۔ صدوق سیئ الحفظ۔ یعنی سچا ہے۔ حافظہ میں کچھ خرابی ہے اس بناء پر اس کی حدیث حسن درجہ کی ہوئی تفصیل کیلئے کتب اصولِ حدیث ملاحظہ ہوں۔ ان میں حسن وصحیح میں فرق کرتے ہوئے بتایا ہے۔ کہ فلاں قسم کے عیب سے حدیث صحیح نہیں رہتی۔ بلکہ حسن درجہ کی ہوجاتی ہے۔

دوسری حدیث میں محمد بن حجر ہے۔ بخاری کسی راوی کے متعلق فِیْہِ نَظَرٌ کہدیں۔ تو وہ بالکل متروک ہوتا ہے۔ اس کی حدیث اعتبار سے گرجاتی ہے چنانچہ اصول حدیث ظفر الامانی وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد اول صفحہ ۲۱۵ میں بحث وضع الیدین علی الصدور میں بحوالہ تحریر حنفیہ کے بزرگ ابن الہمام سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ لیکن محمد بن حجر کے متعلق بخاری نے "فیہ نظر" نہیں کہا۔ بلکہ "فیہ بعض النظر" کہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حدیث کسی قدر اعتبار کے قابل ہے۔ پس جب اس حدیث کی دو سندیں ہوگئیں۔ تو حسن سے ترقی کرکے صحیح کے درجہ کو پہنچ گئیں۔ اور یہ دونوں سندیں علامہ محمد حیات سندھی نے اپنے رسالہ فتح الغفور میں ذکر کی ہیں۔ محمد بن حجر کی سند انہوں نے طبرانی کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ لیکن بلوغ المرام کے نسخہ مذکورہ اور ابن سید الناس اور علامہ شوکانی کے "وَصَحَّحَہٗ" کہنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن خزیمہ میں دونوں سندیں ہیں۔ پہلی سند کے ساتھ یہ حدیث مشروط الصحۃ احادیث میں ذکر کی ہے۔ اور دوسری سند کے ساتھ تعلیقات میں ذکر کی ہے۔ اور صحت کا ذکر الگ کیا

ہے۔ کیونکہ پہلی سند سے اس کو تقویت مل گئی۔ اس بنار پر بلوغ المرام کے دونوں نسخے صحیح ہو جائیں گے۔ اور ابن سید الناس اور امام شوکانی کا اپنی اپنی جگہ صححہ کہنا بھی درست ہو جائے گا۔ اور اس کے کہنے کی ضرورت نہ رہی۔ کہ صححہ کا معنی یہ ہے۔ کہ مشروط الصحت احادیث میں ذکر کی ہے۔ اور علامہ سندھی کا طبرانی کے حوالہ پر اکتفا کرنا اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ صحیح ابن خزیمہ ان کو ملی نہیں۔ ملاحظہ ہو ان کا رسالہ فتح الغفور۔

علمائے دیوبند کا افسوسناک رویہ

فتح المغیث کی عبارت اوپر گذر چکی۔ اس میں بیان ہوا کہ صحیح ابن خزیمہ میں حسن احادیث ہیں جن پر صحت کا حکم لگایا گیا ہے۔ اور وہ صحیح نہیں۔ بلکہ حسن ہیں۔ اس کا مطلب علمائے دیوبند نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ ابن خزیمہ نے صحت کی شرط نہیں کی۔ بلکہ ترمذی کی طرح صحت کا حکم الگ بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی حدیث پر سکوت کریں تو اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے۔ کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو صحیح نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انہوں نے اس پر صحت کا حکم نہیں لگایا۔ ورنہ بلوغ المرام میں حافظ ابن حجر اس کا ذکر کرتے۔

قارئین کرام! خیال فرمائیں۔ علماء دیوبند کا یہ رویہ کس قدر افسوسناک ہے۔ کہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات سے استدلال کر رہے ہیں۔ حالانکہ فتح المغیث کی اس عبارت میں دو جگہ پر صراحۃً بیان ہے۔ کہ ابن خزیمہ نے صحت کی شرط کی ہے۔ اور صحیح ابن خزیمہ میں کسی حدیث کا ہونا ہی اس کی صحت کا حکم ہے۔ مگر علماء دیوبند اس سے الگ حکم مراد لے رہے ہیں۔ اور شرط صحت سے صاف انکار کر رہے ہیں۔ یہ دن دہاڑ ڈکیتی نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ ہاں اگر اس سے الگ حکم مراد لے کر تعیقات پر اس کو چسپاں کرتے۔ تو یہ چیز کسی حد تک درست تھی۔ مگر علماء دیوبند نے ساری کتاب پر اس کو چسپاں کر دیا۔ اور شرط صحت کو دیدہ ودانستہ چھپا دیا۔ اور اس طرح سے اپنے مذہب کی پاسبانی کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

باقی یہ بات کہ کئی احادیث ان کی شرط کے موافق صحیح درجہ کی نہیں ہوتیں۔ بلکہ حسن درجہ کی ہوتی ہیں۔ تو یہ محدثین کی ان پر تنقید ہے۔ جیسے بخاری مسلم کی بعض احادیث پر محدثین نے تنقید کی ہے۔ اور اسی قسم سے ام سلمہ کی حدیث ہے۔ جو علامہ زیلعی نے ذکر کی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ مستدرک حاکم میں ابن خزیمہ کے جس طریق سے ذکر ہوئی ہے کتاب ابن خزیمہ میں اس کے علاوہ کسی اور طریق سے بھی ہو۔ اور ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ علامہ زیلعی رح نے اس پر کلام نہیں کی۔ حالانکہ وہ ہر موقعہ پر ضعف بتلاتے ہیں۔ کم سے کم اتنا تو ضرور کہتے۔ کہ اس میں عمر بن ہارون ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہا۔

نیز کسی امام کے طریق سے کسی حدیث کا روایت ہونا۔ اس بات کو نہیں چاہتا۔ کہ اس کی صحیح یا مشہور کتاب میں بھی یہ درج ہو۔ دیکھئے حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ امام مالک کے طریق سے مروی ہے۔ مگر مؤطا امام مالک میں نہیں۔ تو پھر اس[۲] طریق کا درج ہونا کیونکہ ضرور ہوگا۔ پس ظاہر یہی ہے۔ کہ ابن خزیمہ عمر بن ہارون کے طریق سے یہ حدیث نہیں لائے۔ کیونکہ عمر بن ہارون ان کی شرط پر نہیں۔ اور ابن خزیمہ کا بعض موقعہ پر کسی حدیث میں تردد ظاہر کرنا جیسے حافظ ابن حجر نے اَلقَولُ المُسَدَّد میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق کے متعلق ذکر کیا ہے یہ بھی دلیل ہے۔ کہ جس پر سکوت کریں۔ وہ ان کی شرط پر ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اور اصل تو یہ ہے۔ کہ ایسی حدیث لائی ہی نہ جائے۔ جس میں تردد ہو مگر بعض دفعہ کوئی ضرورت ایسی پیش آجاتی ہے۔ جس کی بنا پر بالتبع ذکر آجاتا ہے مثلاً عبدالرحمٰن بن اسحٰق ایک واسطی ہیں۔ اور ایک مدنی ہیں۔ پہلا ضعیف ہے۔ دوسرا عاصم بن کلیب کے مرتبہ کا ہے چنانچہ تقریب میں ہے صدوق رمی بالقدر یعنی سچا ہے۔ قدری ہونے کے ساتھ متہم ہے۔ تو ایسے موقعہ پر فرق بتلانے کی خاطر اس حدیث کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ اور کبھی اشتباہ ہوتا ہے۔ کہ دونوں سے کونسا مراد ہے۔ تو اس موقعہ پر بھی کچھ کہنا پڑتا ہے غرض ایسے اتفاقات بہت ہو جاتے ہیں۔ جہاں کہیں

[۲] عمر بن ہارون

ضعف کی کہیں صحت کی تصریح کرنی پڑتی ہے۔ بخاری مسلم میں بھی کئی موقعہ پر ایسا ہو جاتا ہے چنانچہ مسلم میں حدیث واذا قرأ فانصتوا کی بابت صحت وضعف کی بحث ہے اور کبھی تعلیقات کے متعلق ایسی بحث ہوتی ہے۔ غرض جن کتابوں میں صحت کی شرط ہے ان میں کسی موقعہ پر صحت وضعف کے ذکر سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ان میں صحت کی شرط ہی نہیں یہ زبردست مغالطہ ہے۔ علماء دیوبند کی شان کے یہ لائق نہ تھا۔ خدا اس سے بچائے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

علمائے دیوبند کا امام شوکانیؒ پر حملہ

علماء دیوبند نے امام شوکانی کی عبارت کا مطلب یہ سمجھا ہے۔ کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو روایت کرکے اس کے بعد اس کی صحت الگ بیان کی ہے۔ پھر اس پر اعتراض کیا ہے۔ کہ شوکانی نے ابن خزیمہ تو دیکھی نہیں۔ ویسے ہی یہ کہہ دیا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب نایاب ہے۔ صرف اتنا سنا گیا ہے۔ کہ لندن کے کتب خانہ میں اس کی دو جلدیں ہیں۔ (حاشیہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۱۴۳)

قارئین کرام! خیال فرمائیں۔ کہ ابن خزیمہ کے نہ دیکھنے کی دلیل کیسی زبردست دی ہے کہ کتاب نایاب ہے۔ اور خود لندن میں ہونے کا اقرار بھی کرلیا ہے۔ کیوں صاحب! اگر امام شوکانی نے لندن جاکر خود دیکھ لیا ہو۔ یا کسی معتمد کو بھیج کر نقل منگالی ہو۔ تو اس کو کیا مانع ہے پھر آپ نے لندن میں دو جلدیں سنی ہیں۔ جرمن کی آپ کو اطلاع ہی نہیں ہوئی۔ وہاں کے کتب خانہ میں بھی ابن خزیمہ موجود ہے۔ پھر نایاب ہونے سے یہ کس طرح لازم آگیا۔ کہ امام شوکانی کے پاس نہیں۔ حافظ ابن حجر کو امام ابن قیم کو اور علامہ زیلعی اور دیگر علماء کو یہ کتاب مل گئی۔ چنانچہ خود علماء دیوبند نے اسی مقام پر لکھا ہے۔ امام شوکانی کو کیا رکاوٹ ہوئی۔ یہ کیسی ضد اور تعصب کی باتیں ہیں۔ اور کیسے بیجا حملے ہو رہے ہیں۔ انا ﷲ ..... ۔

پھر علماء دیوبند نے اتنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ایک اور زبردست الزام لگایا ہے۔

وہ یہ کہ امام شوکانی کا یہ کہنا۔ کہ ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۹۳ میں حدیث ابورکانہ کے متعلق (جس میں ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے کا ذکر ہے) کہا ہے۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰذَا حَسَنٌ صَحِيْحٌ (ابوداؤد نے کہا ہے۔ کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے) حالانکہ ابوداؤد کے کسی نسخہ میں ہم نے یہ عبارت نہیں دیکھی (حاشیہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۷)

سچ ہے۔ تعصب اور نفسانیت عقل علم کے دشمن ہیں۔ اور ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اللہ کے بندو! امام شوکانی نے اپنے پاس سے کچھ نہیں کہا۔ یہ عبارت منتقی ابن تیمیہ کی ہے۔ اور ابن تیمیہ کا بھی اپنا کلام نہیں۔ بلکہ دارقطنی کا حوالہ دیا ہے۔ اور دارقطنی کے صفحہ ۴۳۹ پر یہ عبارت موجود ہے قال ابوداؤد هٰذا حديث صحيح۔ (ابوداود نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)۔

اب دیکھئے علماء دیوبند دارقطنی پر کیسے برستے ہیں۔ خدا سے کچھ ڈرنا چاہیئے۔ اور ایسی اندھی تقلید بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ جس میں دن دہاڑے کچھ نظر نہ آئے۔

پھر علماء دیوبند خواہ مخواہ امام شوکانی سے مڈبھیڑ ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ابن خزیمہ کی حدیث کی صحت خود ائمہ حنفیہ نے تسلیم کر لی ہے۔ چنانچہ امام ابن الہمام کے بہت بڑے شاگرد جو رتبہ اجتہاد میں اپنے استاد کے لگ بھگ ہیں۔ وہ شرح منیہ میں ابن خزیمہ کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

لَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثٌ يُوْجِبُ تَعْيِيْنَ الْمَحَلِّ الَّذِيْ يَكُوْنُ الْوَضْعُ فِيْهِ مِنَ الْبَدَنِ اِلَّا حَدِيْثَ وَائِلِ الْمَذْكُوْرَ وَهٰكَذَا قَالَ صَاحِبُ الْبَحْرِ الرَّائِقِ كَذَا فِيْ فَتْحِ الْغَفُوْرِ لِلشَّيْخِ حَيَاتْ سِنْدِھِیؒ (تحفۃ الاحوذی جلد اول صفحہ ۲۱۵ و حاشیہ تخریج ہدایہ ابن حجرؒ)

ترجمہ:۔ یعنی ہاتھ کہاں باندھے جائیں۔ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں

مگر حدیث وائل مذکور اسی طرح صاحب بحر الرائق نے فرمایا ہے۔ اسی طرح فتح الغفور حیات سندھی میں ہے۔"

علامہ عینی حنفی شرح بخاری میں لکھتے ہیں :۔

اِحْتَجَّ الشَّافِعِیُّ بِحَدِیْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَخْرَجَہٗ ابْنُ خُزَیْمَۃَ فِیْ صَحِیْحِہٖ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی عَلٰی صَدْرِہٖ وَیَسْتَدِلُّ عُلَمَاءُ نَا الْحَنَفِیَّۃُ بِدَلَائِلَ غَیْرِ وَثِیْقَۃٍ ــــ

(تحفۃ الاحوذی جلد اول ص ۲۱۵)

ترجمہ :۔ امام شافعی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بابت حدیث وائل بن حجر سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور حنفیہ ایسے دلائل پیش کرتے ہیں۔ جو قابل اعتماد نہیں۔"

شیخ سندھی حنفی محمد قائم اپنے رسالہ فوز الکرام میں لکھتے ہیں :

اَلَّذِیْ اَعْتَقِدُہٗ اَنَّ ھٰذَا الْحَدِیْثَ (حدیث وائل المذکور) عَلٰی شَرْطِ ابْنِ خُزَیْمَۃَ وَھُوَ الْمُتَبَادِرُ مِنْ صَنِیْعِ الْحَافِظِ فِی الْاِتْحَافِ وَالظَّاھِرُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ سَیِّدِ النَّاسِ بَعْدَ ذِکْرِہٖ حَدِیْثَ وَائِلٍ فِیْ شَرْحِ جَامِعِ التِّرْمِذِیِّ وَصَحَّحَہٗ ابْنُ خُزَیْمَۃَ اِنْتَھٰی (تحفۃ الاحوذی جلد اول ص ۲۱۵)

ترجمہ :۔ میرا اعتقاد یہی ہے۔ کہ یہ حدیث ابن خزیمہ کی شرط پر ہے۔ اور اتحاف میں حافظ ابن حجر کے رویہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور شرح ترمذی میں ابن سید الناس کا وائل کے ذکر کے بعد وصححہ ابن خزیمۃ کہنا۔ اس کا بھی ظاہر مطلب یہی ہے۔ کہ یہ حدیث ابن خزیمہ کی شرط پر ہے۔"

تنبیہ علماء دیوبند حاشیہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ ابن سید الناس نے جس حدیث کی نسبت "وصححہ ابن خزیمۃ" کہا ہے۔ وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی نہیں۔ بلکہ اس سے مراد وائل کی وہ حدیث ہے جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ میں کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

وَفِي حَدِيثِ وَائِلٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ مِنَ السَّاعِدِ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ -

ترجمہ:۔ حدیث وائل جو ابوداؤد و نسائی میں ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی پر اور کلائی کے جوڑ (گٹ) پر رکھا اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔"

لیکن یہ خیال علماء دیوبند کا غلط ہے۔ کیونکہ شیخ سندھی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بحث کر رہے ہیں۔ اور اس حدیث میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں۔ پس شیخ سندھی کا ابن سید الناس کے کلام کا اس موقعہ پر ذکر کرنا اس سے صاف واضح ہے۔ کہ ابن سید الناس کے کلام میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث مراد ہے۔

اپنوں سے کٹ کر دوسروں کا سہارا علمائے دیوبند نے جب دیکھا۔ کہ گھر سے تو زیر ناف ہاتھ باندھنے کیلئے کوئی سہارا نہیں ملتا۔ تو گھر سے باہر نکل کر سہارا چاہا۔ اور اس میں دو راستے اختیار کئے۔ پہلے اپنی دلیل کو صحیح بنانے کی کوشش کی۔ دوسرے یہ کوشش کی کہ کسی طرح سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کا ضعف ثابت ہو جائے۔ تاکہ مخالف فریق کو کہا جا سکے۔ کہ اگر ہماری دلیل ضعیف ہے۔ تو تمہاری کونسی قوی ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کے تحت علماء دیوبند نے ابن قیم کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور اس بارے میں ابن قیم کی دو عبارتیں پیش کی ہیں۔ ایک ان کی

کتاب اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۹ کے حوالہ سے اور دوسری ان کی کتاب بدائع الفوائد جلد ۳ صفحہ ۹۱ کے حوالہ سے :-

پہلی عبارت اَلْمِثَالُ الثَّانِیْ وَالسِّتُّوْنَ تَرْكُ السُّنَّةِ الصَّحِیْحَةِ الصَّرِیْحَةِ الَّتِیْ رَوَاهَا الْجَمَاعَةُ عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی وَلَمْ یَقُلْ عَلٰی صَدْرِهٖ غَیْرُ مُؤَمَّلِ ابْنِ اِسْمٰعِیْلَ اِنْتَهٰی (حاشیہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۵)

ترجمہ : "صحیح صریح سنت کے ترک کی ۶۲ ویں مثال وہ حدیث ہے۔ جو سفیان ثوری سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ اور سفیان ثوری نے عاصم بن کلیب سے اس نے اپنے باپ سے اس نے وائل بن حجر سے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس آپ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور سینہ پر رکھنے کا ذکر صرف مؤمل بن اسمٰعیل نے کیا ہے"

دوسری عبارت قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَی الْكَفِّ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ عَنْ اَبِی الْجَوْزَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِثْلُ تَفْسِیْرِ عَلِیٍّ اِلَّا اَنَّهٗ غَیْرُ صَحِیْحٍ وَالصَّحِیْحُ صُهَیْبٌ وَعَلِیٌّ قَالَ فِیْ رِوَایَةِ الْمُزَنِیِّ اَسْفَلَ السُّرَّةِ بِقَلِیْلٍ وَیُكْرَهُ اَنْ یَّجْعَلَهُمَا عَلَی الصَّدْرِ وَذَالِكَ لِمَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰی

ف علماء دیوبند کی عبارت میں اس طرح ہے۔ بدائع الفوائد کی عبارت یوں ہے۔ وَالصَّحِیْحُ حَدِیْثُ عَلِیٍّ ۱۲۔

عَنِ التَّكْفِيْرِ وَهُوَ وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الصَّدْرِ مُؤَمَّلُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ وَائِلٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَاهُ عَلٰى صَدْرِهِ فَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ عَنْ سُفْيَانَ لَمْ يَذْكُرْ ذَالِكَ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ وَعَبْدُ الْوَاحِدِ لَمْ يَذْكُرْ اَحَدٌ مَا كَذَا سُفْيَانُ اِنْتَهٰى (حاشیہ نصب الرایہ جلد اول ص ۲۱۵-۲۱۶)

ترجمہ: علیؓ فرماتے ہیں۔ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت سے ہے۔ عمرو بن مالک ابی الجوزاء سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابن عباس سے مثل تفسیر علی کے مگر ابن عباس سے کہنا صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح صہیب اور علی سے ہے۔ مزنی نے امام شافعی سے ناف سے تھوڑا سا نیچے ہاتھ باندھنا روایت کیا ہے۔ اور سینہ پر ہاتھ باندھنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ اور تکفیر کے معنی سینہ پر ہاتھ رکھنا ہے۔ مؤمل بن اسمٰعیل نے عاصم بن کلیب سے۔ انہوں نے وائل سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ مگر عبداللہ بن ولید نے سفیان سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ مگر سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر نہیں کیا۔ اور شعبہ اور عبدالواحد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ انہوں نے بھی خلاف ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح سفیان نے۔"

حافظ ابن قیم کی یہ دونوں عبارتیں نقل کر کے علماء دیوبند لکھتے ہیں:۔

فَكَلَامُ ابْنِ الْقَيِّمِ هٰذَا اَرْشَدَنَا اِلٰى اُمُوْرٍ اَنَّ زِيَادَةَ عَلٰى صَدْرِهِ لَمْ يَذْكُرْهَا اِلَّا مُؤَمَّلٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَاَنَّ مُؤَمَّلًا مُنْفَرِدٌ مِنْ بَيْنِ جَمَاعَةٍ مِنْ اَصْحَابِ الثَّوْرِيِّ بِهٰذِهِ الزِّيَادَةِ وَاَنَّ

مَا سِوَاهُ مِنْ اَصْحَابِ الثَّوْرِيِّ وَهِيَ جَمَاعَةٌ لَمْ يَذْكُرْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ هٰذِهِ الزِّيَادَةَ فَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ عِنْدَهُ وَهْمٌ مُؤَمَّلٍ ثُمَّ ذَكَرَ فِي بَدَائِعِ الْفَوَائِدِ اَنَّ السُّنَّةَ الصَّحِيْحَةَ وَضْعُ الْيَدَيْنِ تَحْتَ السُّرَّةِ وَحَدِيْثُ عَلِيٍّ فِي هٰذَا صَحِيْحٌ وَاَنَّ وَضْعَ الْيَدَيْنِ عَلَى الصَّدْرِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ بِالسُّنَّةِ وَهِيَ الْمَنْهِيُّ عَنِ التَّكْفِيْرِ۔

ترجمہ:۔ حافظ ابن قیم کی اس عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ علیٰ صدرہ کو صرف مؤمل بن اسمٰعیل نے سفیان سے اس سند عاصم بن کلیب سے اس نے وائل سے روایت کیا ہے اور ذکر یا اس میں اکیلا ہے۔ اس کے سوا سفیان ثوری کے شاگردوں سے جو ایک جماعت ہے کسی نے اس لفظ کو روایت نہیں کیا پس یہ لفظ ابن قیم کے نزدیک مؤمل کا وہم (غلط) ہے دوسری بات یہ کہ سنت صحیحہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔ تیسری بات یہ کہ حضرت علی کی حدیث اس بارے میں صحیح ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت (حدیث) کی رو سے منع ہے۔ اور سنت (حدیث) وہی ہے جس میں تکفیر سے نہی ہے۔"

علماء دیوبند نے یہ چار باتیں جو ابن قیم کی عبارت سے ثابت کی ہیں۔ ان میں دوسری اور تیسری بات ابن قیم کی عبارت میں نہیں۔ یہ سراسر ان پر بہتان ہے۔ دوسری بات ابن قیم کی عبارت میں سنت صحیحہ نہیں۔ بلکہ صرف سنت ہے۔ صحیحہ کا لفظ علماء دیوبند کا اضافہ ہے اور صحیحہ ہونے کی کوئی صورت بھی نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق واسطی ہے جو باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد اور نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۴ وغیرہ۔ اور تفسیر علی سے مراد آیت کریمہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر ہے۔ جو حضرت علی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ساتھ کی ہے۔ کیونکہ ابی الجوزاء کی اسناد سے یہی ابن عباس سے مروی ہے چنانچہ تفاسیر

لہ ملاحظہ ہو معالم التنزیل وغیرہ ۱۲

میں اس کی تصریح ہے۔ مگر ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اس کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف صحیح نہیں۔ بلکہ صہیب اور علی کی طرف صحیح ہے۔ علمائے دیوبند نے دیانت کو بالائے طاق رکھ کر پہلے تو حضرت علی کی تفسیر اور ان کے قول مِنَ السُّنَّۃِ الخ کو ایک کر دیا۔ اور پھر تفسیر کی نسبت حضرت علی کی طرف صحیح ہونے کا مطلب یہ بنا لیا۔ کہ حضرت علی کا قول مِنَ السُّنَّۃِ الخ یہ سنت صحیحہ ہے۔

قارئین کرام! یہ ہیں تقلید کی کرشمہ سازیاں۔ یہ لوگ کل خدا کے سامنے پیش ہو کر سرخ رُو ہونے کے لئے یہ بیان دیں گے۔ کہ یا اللہ! ہم نے تیرے دین کی اس قدر خدمت کی۔ کہ دیانت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ انا للہ ......

اور چوتھی بات یعنی تکفیر سے نہی۔ اس کو اگرچہ ابن قیم نے نماز پر محمول کیا ہے۔ مگر نماز کا اس میں کوئی لفظ نہیں۔ پس یہ خارج نماز پر محمول ہونی چاہیئے۔ تاکہ علیٰ صدرہ والی حدیث سے مخالفت لازم نہ آئے۔ گویا یوں سمجھیئے۔ کہ شیخ سعدی کا ارشاد ع

ستائش کناں دست برہم نہند

یہ اسی حدیث کا ترجمان ہے۔ اور اس سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو تائید ملی۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعظیم سینہ پر ہاتھ باندھنے میں ہے۔ اس لئے خارج نماز میں غیر اللہ کے سامنے سینہ پر ہاتھ باندھنے سے نہی فرما دی۔ اور نماز میں چونکہ تعظیم اللہ کے لئے ہے اس لئے اس کا ارشاد فرما دیا۔

رہی پہلی بات سو اس کا مدار اس پر ہے۔ کہ ابن قیم نے ابن خزیمہ دیکھی ہو۔ اس کا ثبوت علماء دیوبند نے جو کچھ دیا ہے۔ وہ نیچے سطور میں پڑھتے چلتے ہیں:

وَوَجَدْنَا ابْنَ الْقَیِّمِ یَنْقُلُ حَدِیْثًا بِاِسْنَادِہٖ حَیْثُ قَالَ فِیْ بَدَائِعِ الْفَوَائِدِ ص۱۲۱ جلد ۴ اَلَّذِیْ وَقَعَ فِیْ صَحِیْحِ الْبُخَارِیِّ وَاَکْثَرِ کُتُبِ الْحَدِیْثِ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ

وَعَدْتَهُ وَوَقَعَ فِي صَحِيحِ ابْنِ خُزَيْمَةَ وَالنَّسَائِيِّ بِإِسْنَادِ الصَّحِيحَيْنِ مِنْ رِوَايَةِ جَابِرٍ وَرِوَايَةُ ابْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ سَهْلٍ الرَّمْلِيِّ صَدَّقَهُ أَبُو حَاتِمٍ الرَّازِيُّ وَبَاقِي الْإِسْنَادِ عَلَى شَرْطِهِمَا انْتَهَى وَنَظُنُّ مِنْهُ أَنَّهُ مُطَّلِعٌ عَلَى أَصْلِ الْكِتَابِ (حاشیہ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۵)

ترجمہ :- ابن قیم نے ایک حدیث باسناد نقل کی ہے چنانچہ بدائع الفوائد کے صفحہ ۱۴۲ جلد ۴ میں فرماتے ہیں۔ صحیح بخاری اور اکثر کتب احادیث میں (اذان کی دعا میں) وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَهُ آیا ہے اور صحیح ابن خزیمہ اور نسائی میں بھی بخاری مسلم کی اسناد کے ساتھ روایت جابر سے اسی طرح آیا ہے۔ اور روایت ابن خزیمہ موسیٰ بن سہل رملی سے ہے۔ اس کو ابو حاتم رازی نے سچا کہا ہے۔ اور باقی اسناد (کے راوی) بخاری مسلم کی شرط پر ہیں۔ ابن القیم کے اس بیان سے گمان ہوتا ہے۔ کہ ابن القیم نے صحیح ابن خزیمہ دیکھی ہے۔"

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ابن قیم نے اذان کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے ابن خزیمہ کی اسناد کا حال بیان کیا ہے۔ اس سے علماء دیوبند نے نتیجہ نکالا ہے۔ کہ ابن قیمؒ نے ابن خزیمہ دیکھی ہے۔ قارئین کرام! کسی حدیث کی تصحیح بیان کرنا یا یوں کہنا۔ کہ ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے یہ بھی تو اسناد کے حال کا بیان ہے۔ تو پھر امام شوکانی پر یہ آوازے کیوں کسے گئے۔ کہ انہوں نے بغیر دیکھے "صححہ ابن خزیمۃ" کہدیا۔ اور اگر امام شوکانی نے کسی دوسرے پر اعتماد کر لیا۔ تو کیا ابن القیم دوسرے پر نہیں اعتماد کر سکتے۔

اس کے علاوہ ابن قیمؒ سے یہاں ایک ڈبل غلطی ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ اِعْلَامُ الْمُوَقِّعِیْنَ کی مذکورہ بالا عبارت میں فرماتے ہیں کہ مُؤَمِّل بن اسمٰعیل کے سوا اس حدیث کو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ مگر عَلٰی صَدْرِہٖ کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بتلائیے یہ بات انہوں نے ابن خزیمہ دیکھ کر لکھی ہے۔ یا کوئی اور کتاب، اور وہ کونسی جماعت ہے۔ جنہوں نے سفیان ثوری سے عَلٰی صَدْرِہٖ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ صرف عبداللہ بن الولید ایک راوی ہے۔ جس نے سفیان ثوری سے عَلٰی صَدْرِہٖ کا ذکر نہیں کیا۔ جماعت کا یہاں تو نام و نشان نہیں۔ اسی واسطے علمائے دیوبند کی مجلس علمی نے خود اس غلطی کو محسوس کیا۔ اور ابن القیم کی اس عبارت پر لکھا:۔

وَاِنِّیْ لَمْ اَطَّلِعْ عَلَی الْجَمَاعَۃِ الَّذِیْ رَوَوْا عَنْ سُفْیَانَ وَلَمْ یَذْکُرُوْا زِیَادَۃَ عَلٰی صَدْرِہٖ سِوٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْوَلِیْدِ عِنْدَ اَحْمَدَ (ص۳۱۸ جلد ۴) (حاشیہ نصب الرایہ جلد اول ص۳۱۶)

ترجمہ:۔ میں نے ایسی کوئی جماعت نہیں دیکھی جس نے سفیان ثوری سے یہ حدیث روایت کی ہو۔ اور عَلٰی صَدْرِہٖ کا لفظ نہ ذکر کیا ہو۔ سوا عبداللہ بن الولید کے جیسے کہ مسند احمد صفحہ ۳۱۸ جلد ۴ میں ہے"

خلاصہ یہ کہ ابن القیم کی یہ عبارت گڑبڑ ہے۔ اس کو یہاں پیش کرنا ٹھیک نہیں۔ علاوہ اس کے جب یہ مان لیا گیا۔ کہ مؤمل بن اسمٰعیل نے عَلٰی صَدْرِہٖ زیادہ کیا ہے۔ تو سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت ہوگیا۔ کیونکہ یہ ثقہ ہے۔ اور زیادتی ثقہ کی معتبر ہے۔ خاص کر جبکہ اس کے مؤید اور روایتیں بھی آگئی ہیں۔ ایک طاؤس کی مرسل روایت ہے۔ جو ابوداؤد میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں

عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَضَعُ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی ثُمَّ یَشُدُّ بَیْنَہُمَا عَلٰی صَدْرِہٖ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ۔

ترجمہ:۔ طاؤس سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے۔ پھر مضبوطی سے سینے پر باندھتے"

اس حدیث کی اسناد میں سلیمان بن موسیٰ اموی اشدق راوی ہے۔ تقریب میں ہے۔

صدوق فقیہ فی حدیثہ بعض لین وخلط قبل موتہ بقلیل۔

ترجمہ:۔ یعنی سچا ہے۔ فقیہ ہے۔ اس کی حدیث میں کچھ نرمی ہے۔ اور موت سے تھوڑا پہلے اس کے حافظہ میں کچھ فرق پڑ گیا۔"

پس یہ قریباً حسن درجہ کا راوی ہوا۔ جو تائید کے لئے کافی ہے

دوسری حدیث قبیصہ بن ہلب کی ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْصَرِفُ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَعَنْ یَّسَارِہٖ وَرَاَیْتُہٗ یَضَعُ ھٰذِہٖ عَلٰی صَدْرِہٖ وَوَصَفَ یَحْیٰی اَلْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی فَوْقَ الْمُفْصَلِ (عون المعبود جلد اول ص۲۷۵ بحوالہ مسند احمد)

ترجمہ:۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ (سلام کے وقت) دائیں بائیں پھرتے۔ اور میں نے آپ کو دیکھا کہ اس کو سینہ پر رکھا۔ یحییٰ (راوی حدیث) نے بیان کیا اس کو۔ مراد ہے۔ دایاں ہاتھ بائیں پہنچوں کے اوپر۔

اس حدیث میں سماک بن حرب راوی ہے۔ تقریب میں ہے:۔

صَدُوْقٌ وَرِوَایَتُہٗ عَنْ عِکْرِمَۃَ خَاصَّۃً مُضْطَرِبَۃٌ وَکَانَ تَغَیَّرَ بِاٰخِرِ عُمْرِہٖ فَکَانَ رُبَّمَا یُلَقَّنُ۔

ترجمہ:۔ یعنی سچا ہے۔ اس کی روایت فقط عکرمہ سے مضطرب (گڑبڑ) ہے۔ اخیر عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا۔ اور بسا اوقات اس کو لقمہ دیا جاتا تھا۔"

مگر یہاں استاد عکرمہ نہیں۔ بلکہ قبیصہ ہے۔ اور شاگرد سفیان ثوری ہے۔ جس نے اس سے

پہلی عمر میں روایت لی ہے۔ پس یہ حدیث بالکل بے عیب ہوئی تفصیل کے لئے عون المعبود اور تحفۃ الاحوذی وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

خلاصہ یہ کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نہایت پختہ ہے۔ اور زیر ناف کی روایت کوئی صحیح نہیں۔ مگر دیوبندی حضرات محض سینہ زوری کر رہے ہیں۔ خدا ان کو ھدایت کرے۔ کیا اچھا ہوتا۔ کہ یہ حضرات اس موقعہ پر امام ابو حنیفہ مرحوم کی اس وصیت پر ہی عمل کر لیتے۔ اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ۔ جب حدیث صحیح ہو جائے۔ تو وہی میرا مذہب ہے۔ خاص کر امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو مرسل مستقل حجت ہے۔ اس بناء پر ان کے نزدیک تو مرسل طاؤس ہی کافی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ دو اور متصل حدیثیں مل گئیں۔ ایک مؤمل بن اسمٰعیل والی جو ابن خزیمہ میں ہے۔ اور ایک قبیصہ بن ھلب والی جو مسند احمد میں ہے۔ تو اس صورت میں حدیث صحت کے اعلیٰ مقام کو پہنچ گئی۔

علاوہ اس کے ابن خزیمہ کی حدیث کی ایک اور سند بھی ہے۔ جس میں مؤمل بن اسمٰعیل نہیں۔ چنانچہ ابن حجرؒ درایہ صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں

حَدِیْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی عَلٰی صَدْرِہٖ اَخْرَجَہُ ابْنُ خُزَیْمَۃَ وَھُوَ فِیْ مُسْلِمٍ دُوْنَ عَلٰی صَدْرِہٖ انتھٰی

ترجمہ:۔ حدیث وائل بن حجر کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس آپنے دایاں ہاتھ بائیں پر سینہ پر رکھا۔ اس کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث بعینہٖ مسلم میں ہے۔ صرف علیٰ صدرہٖ کا لفظ نہیں۔

ابن خزیمہ کا حوالہ دے کر حافظ ابن حجر کا یہ کہنا۔ کہ یہ بعینہٖ مسلم میں ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ ابن خزیمہ اور مسلم کی سند ایک ہی ہے۔ اور مسلم کی سند میں مؤمل بن اسمٰعیل نہیں۔ پس ابن خزیمہ کی حدیث کی ایک اور سند ہوگئی۔ جو مسلم میں ہے

یہ بیان تحفۃ الاحوذی میں ہے۔ اس پر علماء دیوبند نے اعتراض کیا ہے۔ کہ یہ ضروری نہیں۔ کہ متن حدیث ایک ہو۔ تو سند بھی ایک ہو۔ پھر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ سے اس کی ایک مثال ذکر کی ہے۔ فتح الباری میں ہے:۔

وَهِيَ حَدِيْثُ وَائِلٍ عِنْدَ اَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُ وَاَصْلُهُ فِيْ مُسْلِمٍ بِدُوْنِ الزِّيَادَةِ اِنْتَهٰى

ترجمہ:۔ ابوداؤد اور نسائی میں حدیث وائل کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ پھر دایاں ہاتھ بائیں کی پیٹھ پر اور گٹے پر کلائی کے قریب رکھا اور اس حدیث کو ابن خزیمہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ اور اصل اس حدیث کا مسلم میں ہے۔ بغیر زیادتی کے۔

اس مثال میں ابوداؤد اور نسائی کی سند پوری مسلم والی نہیں۔ حالانکہ حدیث مسلم میں موجود ہے۔ صرف لفظ وَالرسغ وَالساعد نہیں۔ مگر یہ علماء دیوبند کی ڈبل غلطی ہے۔ کیونکہ علے صدرہ والی حدیث بعینہٖ مسلم میں ہے۔ سوا لفظ علی صدرہ کے۔ برخلاف اس حدیث کے۔ جو یہ علمائے دیوبند نے پیش کی ہے۔ کیونکہ مسلم اور ابوداؤد اور نسائی کے الفاظ میں بڑا فرق ہے۔ اور مسلم میں پورے الفاظ نہیں۔ ملاحظہ ہو مسلم باب وضع یدہ الیمنی علے الیسری اور ابوداؤد باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ اور نسائی باب موضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ۔ اسی لئے حافظ ابن حجر نے یہاں واصلہ فی مسلم کہا ہے۔ وھو فی مسلم نہیں کہا۔ پس علمائے دیوبند کا اس حدیث کو یہاں پیش کرنا صحیح نہیں۔

علمائے دیوبند نے اس مقام میں یہ بھی کہا ہے۔ کہ اگر علی صدرہ والی حدیث میں ابن خزیمہ اور مسلم کی اسناد بالکل ایک ہوں۔ تو پھر مسلم اور ابن خزیمہ کا اسناد ایک ہی ہوگا۔ تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ابن خزیمہ کے پاس تو علی صدرہ کا ذکر کرے۔ اور مسلم کے پاس ذکر کرنے سے بخل کرے اس سے معلوم ہوتا کہ یہ راوی کا وہم ہے۔

علمائے دیوبند اس موقعہ پر ایک بڑا اصول حدیث بھول گئے ہیں۔ وہ یہ کہ زیادتی ثقہ کی معتبر ہے۔ ابن خزیمہ چونکہ ثقہ ہیں۔ اس لئے ان کا علی صدرہ ذکر کرنا معتبر ہوگا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے وائل بن حجر صحابی کے شاگردوں میں حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ جیسے ابھی ابوداؤد، نسائی اور مسلم کی حدیث پیش کردہ علماء دیوبند میں بتلایا گیا ہے۔ یہ کوئی انوکھی شئے نہیں۔ علمائے دیوبند فن حدیث میں کمزور ہیں۔ اس لئے بہت مقامات میں ان سے مسامحت ہو جاتی ہے۔ خدا معاف کرے۔

ایک غلطی ان کی اور ملاحظہ ہو۔ نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱۶ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ مؤمل بن اسمٰعیل نے علی صدرہ سفیان ثوری سے روایت کیا ہے۔ اور سفیان ثوری کا مذہب زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ہے۔ چنانچہ شرح مہذب جلد ۳ صفحہ ۳۱۳ میں امام نووی نے اور مغنی جلد اول صفحہ ۵۱۹ میں ابن قدامہ نے اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ علی صدرہ کی زیادتی مؤمل کا وہم ہے۔ حالانکہ معمولی فہم کا انسان بھی اس بات کو خوبی سمجھتا ہے۔ کہ بعض دفعہ انسان کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ اور حدیث بعد میں پہنچتی ہے۔ اس کے بعد اس کا مذہب وہی سمجھا جائے گا۔ جو حدیث میں ہے۔ خواہ نقل کرنیوالے کچھ نقل کریں۔

علماء دیوبند نے اس موقعہ پر بڑی قلابازیاں کھائی ہیں۔ اور خس وخاشاک کو ہاتھ مارا ہے۔ اور کوشش کی ہے۔ کہ علی صدرہ کا نئے نئے طریقوں سے جواب دیا جائے۔ چنانچہ ایک بات یہ بھی لکھی ہے۔ کہ سفیان عاصم بن کلیب کے شاگرد ہیں۔ اور عاصم بن کلیب کے اور بہت شاگرد ہیں۔ جیسے شعبہ، عبدالواحد، زہیر بن معاویہ۔ زائدہ وغیرہ وغیرہ۔ ان سے کسی نے علی صدرہ ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح وائل صحابی کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہاتھ باندھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر علی صدرہ کا ذکر نہیں کرتے۔

علمائے دیوبند کی عجیب حالت ہے۔ کہ ایک بات کو بڑی بڑھا چڑھا کر لکھتے ہیں۔ مگر جب اپنا موقعہ آتا ہے۔ تو اس کی تردید کر دیتے ہیں چنانچہ یہاں چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:-

حَدِیْثُ وَائِلٍ لَہٗ اَلْفَاظٌ مُخْتَلِفَۃٌ لَاشَکَّ فِیْ صِحَّۃِ بَعْضِھَا

یعنی حدیث وائل مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے بعض الفاظ کی صحت میں کوئی شک نہیں۔

پھر علٰی صَدرِہٖ کے لفظ کو تو ضعیف کہا ہے۔ اور ابوداؤد اور نسائی کے الفاظ وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ کو صحیح کہا ہے اور وجہ اس کی یہ لکھی ہے۔ کہ ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ حالانکہ ابن خزیمہ نے علٰی صدرہ کو بھی صحیح کہا ہے۔ چنانچہ تفصیل اس کی صفحہ ۱۹ تا ۱۲۲ میں ہو چکی ہے۔ خاص کر جب علٰی صدرہ کی مؤید اور دو حدیثیں بھی موجود ہیں۔ ایک مرسل طاؤس اور ایک ہلب بن ہلب والی چنانچہ اس کی تفصیل ابھی صفحہ ۱۴۲ میں ہو چکی ہے

خلاصہ یہ کہ علماء دیوبند علٰی صَدرِہٖ کی تضعیف میں ادھار کھائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس کی صحت وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ سے اچھی ہے۔ خدا ان کو سمجھ دے اور تقلید کے پھندے سے بچائے۔ آمین:

تنبیہ ایک بات یہاں اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ وَالرُّسْغِ وَ السَّاعِدِ والی روایت میں عاصم بن کلیب راوی ہے جس پر کئی طرح کی جرح ہے۔ مگر حافظ ابن حجر کا آخری فیصلہ تقریب التہذیب میں ان کے متعلق یہ ہے صَدُوْقٌ رُمِیَ بِالْاِرْجَاءِ یعنی سچا ہے۔ مرجی ہونے کے ساتھ متہم ہے۔ اور مؤمل بن اسمٰعیل پر بھی کئی طرح کی جرح ہے۔ لیکن اس کے حق میں بھی حافظ ابن حجرؒ کا آخری فیصلہ تقریب التہذیب میں یہ ہے:۔ صَدُوْقٌ سَیِّئُ الْحِفْظِ یعنی سچا ہے حافظہ میں خرابی ہے۔ اور تقریب التہذیب کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

کسی بدعت (مرجی وغیرہ ہونے) کے ساتھ متہم ہونا یا سیئ الحفظ ہونا۔ یہ ایک ہی مرتبہ ہے۔ اور علماء دیوبند نے عاصم بن کلیب کی روایت کو صحیح مان لیا ہے۔ یہاں بھی اور رفعیدین کے مسئلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جو مولوی ارشاد احمد نے ذکر کی ہے۔ اس کو بھی حنفیہ صحیح مانتے ہیں۔ حالانکہ اس میں بھی عاصم بن کلیب ہے۔ پھر خدا جانے مؤمل بن اسمٰعیل کے ساتھ کیا ضد ہے۔ کہ اس کی روایت علیٰ صدرہ پر جرح قدح کی کوشش کر رہے ہیں۔ باوجود اس کے کہ دو حدیثیں اور اس کی مؤید موجود ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان کے امام کا مذہب نہیں۔ پھر عورت کے بارہ میں اسی حدیث پر عمل ہے۔ کیونکہ ان کے امام کا مذہب ہے۔ کہ عورت سینہ پر ہاتھ باندھے۔ بس یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق ہم بار بار لکھتے ہیں۔ کہ تقلید کے دائرہ میں قرآن وحدیث پر پورا عمل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ توازن قائم رہ سکتا ہے۔ کیونکہ ہر موقعہ پر وہ اپنے مطلب کی کہتے ہیں۔ خدا ہر ایک کو حق سمجھائے۔ اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ۔

مقام سوم ترک رفعیدین کے مسئلہ میں حنفیہ کا زیادہ تر اعتماد عبداللہ بن مسعود کی حدیث پر ہے جو مولوی ارشاد احمد کی عبارت میں صفحہ ۴۹ پر گذر چکی ہے۔ دوسرے علماء (اہلحدیث) نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی صحت میں کلام ہے۔ چنانچہ اس کی کچھ تفصیل صفحہ ۶۵ سے صفحہ ۷۰ تک ہو چکی ہے۔ دوسرے عبداللہ بن مسعود نے جواز کے لئے ترک کیا ہو۔ جیسے مولانا عبدالحئی صاحب نے تعلیق الممجد کے صفحہ ۹۱ کے حوالہ سے صفحہ ۵۴ پر گذر چکا ہے۔ تیسرے عبداللہ بن مسعود کی غلطی ہو۔ فقیہ امام ابوبکر احمد بن اسحٰق فرماتے ہیں۔ رفعیدین صحیح احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ پھر

ف اگر کہا جائے۔ کہ سیئ الحفظ کو حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں ضعیف کی قسم سے شمار کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حافظہ میں معمولی کمزوری مراد ہے۔ اور شرح نخبہ میں مراد وہ ہے جس کی درستی غلط روایتیں برابر ہوں یا غلط زیادہ ہوں۔ چنانچہ شرح نخبہ میں اس کی صراحت کی ہے۔ منہ

خلفاء راشدین سے۔ پھر دیگر صحابہ سے اور تابعین سے۔ اس کے مقابلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی غلطی مان لینا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جیسے تطبیق کے مسئلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے غلطی ہوئی (چنانچہ ابھی گذرا ہے) ایسے ان کا مذہب ہے کہ کہنیاں زمین پر بچھائے (حالانکہ حدیث میں بچھانا منع ہے) اور سورۃ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ کے قائل نہ تھے۔ بلکہ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَىٰ پڑھتے تھے۔ اور جماعت میں دو مقتدی ہوں تو ان کا مذہب ہے۔ کہ امام درمیان میں کھڑا ہو۔ نیز معوذتین (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) کو کتاب اللہ سے نہیں سمجھتے تھے۔ نیز عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ کوئی نماز آپ نے بے وقت پڑھی۔ مگر دو نمازیں۔ (۱) مزدلفہ میں حج کے موقعہ پر مغرب عشاء جمع کی۔ (۲) اور صبح کو فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی۔ حالانکہ عرفات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر بھی جمع کی۔ مگر عبداللہ بن مسعودؓ کو اس کا پتہ نہیں لگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

غرض جب اس قسم کی غلطیاں عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت ہیں۔ تو رفعیدین کے مسئلہ میں غلطی کوئی انوکھی چیز نہیں۔ یہ سب اغلاط نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۹۷ تا صفحہ ۴۰۲ میں تفصیلاً مذکور ہیں۔ صاحب نصب الرایہ تو ان پر کچھ نہیں بولے۔ بلکہ ذکر کر کے سکوت کیا ہے مگر مجلس علماء دیوبند اس پر بوکھلا اٹھی ہے۔ اور فقیہ ابوبکر کو کافی کوستے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ اسلام میں چھٹے نمبر پر ہیں۔ ان سے پہلے کل پانچ شخص اسلام لائے۔ بیس سال سے زاید عرصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے پہلی صف میں آپ کے قریب کھڑے ہوتے۔ نوافل کے علاوہ رات دن میں سترہ فرضوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع میں آتے جاتے دیکھتے۔ کیا ایسے شخص پر رفعیدین مخفی رہ سکتا ہے؟ مگر یہ مجلس علمی اس بات کو بھول گئی ہے۔ کہ حنفیہ جب رفعیدین کو

منسوخ کہتے ہیں۔ تو اس وقت یہ نہیں سوچتے۔ کہ خلفاء راشدین اور بڑے بڑے صحابہ جن کا نمبر عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اول ہے۔ وہ ایسے غافل کیوں ہو گئے۔ کہ رات دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوافل کے علاوہ سترہ فرضوں میں رکوع کو آتے جاتے دیکھتے۔ مگر ان کو رفع یدین کرنے کا پتہ نہیں لگا۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو لگ گیا۔ پھر اگر رفع یدین کا حکم اخیر عمر میں اترا تو پھر اسلام پہلے لانے یا بیس سال سے زائد عرصہ خدمت میں رہنے کا اس سے کیا تعلق؟

قارئین کرام! مجلس علمی کا کارنامہ ملاحظہ فرمایئے۔ کہ اب ایسے دلائل پر اتر آئے ہیں کہ انہی پر الٹ جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کمزوری کیا ہوگی؟

اس کے مقابلہ میں ایک اور صاحب کے دلائل سنئے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ احکام شرعیہ عموماً محکم ہوتے ہیں۔ نسخ کہیں شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اس بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب ایک مسئلہ معلوم ہو جاتا۔ تو اس پر پختہ ہو جاتے۔ اور اس کے متعلق دوبارہ دیکھ بھال کی ضرورت نہ سمجھتے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خاص کر خلفاء راشدین اور عبداللہ بن مسعودؓ ایسے بزرگان دین کی نمازیں ہماری نمازوں کی طرح نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ وہ ایسے مستغرق (محو) ہوتے۔ کہ دوسری طرف خیال دلانے سے بھی خیال مشکل جاتا۔ اور قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ

یعنی بے شک مومن خلاصی پا گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع (عاجزی) کرتے ہیں۔

اور اس میں شک نہیں۔ کہ دوسرے کی حرکات کی طرف التفات اور توجہ خشوع کے بالکل منافی ہے۔ پس صحابہ پر یہ خیال کہ وہ ہر وقت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی دیکھتے رہتے تھے۔ غلط ہے۔

قارئین کرام! بتلایئے کہ اس قسم کے قیاسات کرنیوالوں سے کس کی سنیں اور

کس کی نہ سنیں۔ ہم تو ایسے موقعہ پر ایک اصول جانتے ہیں۔ کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح حدیث آجائے۔ تو اس کو معمول بہ بنالیں اور اس کے مقابلہ میں کسی کی نہ سنیں۔ سو رفعیدین کے ثبوت میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کو تو حنفیہ بھی مانتے ہیں۔ آگے وہ دو فریق ہو گئے ہیں۔ ایک تو کہتے ہیں۔ کہ سنت موکدہ نہیں۔ بلکہ مستحب ہے اور ترک جائز ہے۔ جیسے مولانا عبدالحیؒ اور سندھیؒ اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کے کلام میں گذر چکا ہے اور ایک فریق کہتا ہے کہ منسوخ ہے۔ اور دلیل دونوں فریق ایک ہی پیش کرتے ہیں۔ اور وہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے۔ اگرچہ بعض اور روایتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ مگر اصلی اعتماد اسی پر ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحیؒ صاحب کے کلام میں گذر چکا ہے۔ کہ ترک رفعیدین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعود کے سوا کوئی طریق صحیح نہیں۔ لیکن یہ بھی مولانا عبدالحیؒ صاحب کا یا کسی اور اکے دکے کا خیال ہے۔ ورنہ اصل تحقیق یہ ہے۔ کہ یہ حدیث کسی طریق سے صحیح نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۶۵ سے صفحہ ۷۰ تک اس کا بیان گذر چکا ہے۔ خیر اگر فرضی طور پر صحیح مان لیں۔ تو نسخ اس سے کسی صورت ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ناسخ کا پیچھے ہونا شرط ہے۔ اور یہاں ثبوت رفعیدین کی احادیث سے اس کا پیچھے ہونا معلوم نہیں دوسرے جواز پر محمول ہوسکتی ہے۔ جیسے مولانا عبدالحیؒ صاحب وغیرہ فرماتے ہیں۔ تیسرے ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو پتہ نہ لگا ہو۔ جیسے تطبیق کرتے رہے اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا پتہ نہیں لگا۔ اسی طرح سجدہ میں کہنیاں اٹھانے کا پتہ نہیں لگا۔ وغیرہ وغیرہ چنانچہ فقیہ امام ابوبکر احمد بن اسحٰق کے کلام میں ابھی گذرا ہے۔ بہر صورت ترک میں کئی طرح کے شبہات ہیں۔ اور ثبوت نہایت پختہ چیز ہے۔ اس لئے رفعیدین کرنے کو ترجیح ہے۔

تنبیہ مجلس علماء دیوبند نے فقیہ امام ابوبکر کے پیش کردہ ان چند مسائل کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر چونکہ جواب میں تقلید کی جھلک ہے۔ اس لئے کامیاب نہیں ہوئے تطبیق کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا

مذہب حضرت علیؓ کا مذہب ہے۔ مگر اس جواب میں خیانت کی ہے چنانچہ اوپر بیان ہوا۔ کہنیاں زمین پر رکھنے کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ کا جواب دیا ہے۔ کہ یہ قرأت کا اختلاف ہے۔ عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء اور عبداللہ بن عباس کی قرأت وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ہی ہے۔ حالانکہ اختلاف قرأت سے یہاں کوئی مطلب نہیں۔ فقیہ امام ابوبکر کا مقصد یہ ہے۔ کہ ان کو وَمَا خَلَقَ کی قرأت کا پتہ نہیں لگا۔ اور دو نمازیں بے وقت پڑھنے کی حدیث کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ نسائی باب الجمع بین الظهر والعصر میں عرفات کا بھی ذکر ہے چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا إِلَّا بِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وقت پر پڑھتے۔ مگر مزدلفہ اور عرفات میں نہ مجلس علمی نے اس جواب میں ڈبل غلطی کی ہے۔ فقیہ ابوبکر کا مطلب نہیں سمجھے۔ پہلی حدیث میں رؤیت کی نفی ہے۔ اور حصر ہے کہ صرف دو نمازیں ہی بے وقت پڑھی ہیں۔ اور دوسری حدیث میں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وقت پر پڑھتے تھے۔ مگر مزدلفہ اور عرفات میں" یہاں عرفات میں تیسری نماز آگئی۔ جو بے وقت پڑھی۔ اور پہلی حدیث میں دو میں حصر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوسری حدیث بعد میں کسی صحابی سے پہنچی ہے جب پہلی حدیث بیان کی۔ اس وقت تک عرفات میں بے وقت نماز پڑھنے کا علم نہیں ہوا۔ اور ابوبکر فقیہ کا مقصد یہی ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود کو عرفات میں بے وقت نماز پڑھنے کا خود علم نہیں ہوا۔ اور نہ انہوں نے دیکھا پس ایسے ہی رفع یدین کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ رفع یدین کا علم ان کو دوسرے صحابہ سے ہوگیا ہوگا جیسے عرفات میں

بے وقت نماز پڑھنے کا علم ہوگیا۔ تو پھر انہوں نے رفعیدین کے ترک پر کیوں عمل کیا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی دوسرے صحابی کی نہیں مانتے تھے اور اگر خود نہ دیکھا ہوتا۔ تو مان لیتے۔ عرفات میں چونکہ خود دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے دوسرے صحابہ کی مان لی۔ فقیہ ابوبکر کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے ترک رفعیدین دیکھا۔ اور فعل نہیں دیکھا۔ اس لئے غلطی پر رہے۔ جیسے عرفات کی نماز کے متعلق غلطی پر رہے۔ جب تک دوسرے صحابہ کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور ترک رفعیدین چونکہ خود دیکھا تھا۔ اس لئے اس میں ہمیشہ غلطی پر رہے۔

اور دو مقتدیوں کے درمیان امام کے کھڑے ہونے کی حدیث کے علمائے دیوبند نے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صورت شاذ و نادر ہے۔ کہ امام کے ساتھ دو مقتدی ہوں۔ اس پر رفع یدین کو قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ رفعیدین روزانہ پانچوں نمازوں کی ہر رکعت میں ہوتا ہے۔ اس سے عبداللہ بن مسعود کا بے خبر رہنا بہت بعید ہے۔ لیکن علماء دیوبند نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ کہ جس حدیث میں دو مقتدیوں کا مسئلہ ہے۔ اسی میں تطبیق کا مسئلہ ہے۔ اور تطبیق رفعیدین کی طرح روزمرہ کی شئے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود جب ایک دفعہ ایک شئے دیکھ لیتے۔ تو اس پر پختہ ہو جاتے۔ اور بار بار دیکھنا خشوع کے منافی سمجھ کر ترک کر دیتے۔ پس اصلی غلطی کی وجہ یہ ہے۔

دوسرا جواب علماء دیوبند نے یہ دیا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود کا مذہب دوسرے صحابہ کے خلاف نہیں چنانچہ اس کے ثبوت میں یہ روایت پیش کی ہے۔

عَنْ يَعْقُوبَ عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ قَالَ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ النَّخَعِيِّ عَنْ اَبِيهِ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَعَمِّيْ

عَلْقَمَةُ عَلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ بِالْھَاجِرَةِ قَالَ فَاَقَامَ الظُّھْرَ لِیُصَلِّیَ فَقُمْنَا خَلْفَہٗ فَاَخَذَ بِیَدِیْ وَیَدِ عَمِّیْ ثُمَّ جَعَلَ اَحَدَنَا عَنْ یَمِیْنِہٖ وَالْاٰخَرَ عَنْ یَسَارِہٖ ثُمَّ قَامَ بَیْنَنَا فَصَفَفْنَا خَلْفَہٗ صَفًّا وَاحِدًا ثُمَّ قَالَ ھٰکَذَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُ اِذَا کَانُوْا ثَلٰثَةً

(مسند احمد جلد اول صفحہ ۴۵۹)

ترجمہ:۔ اسود بن یزید نخعی کہتے ہیں۔ کہ میں اور میرے چچا علقمہ دوپہر کے وقت عبداللہ بن مسعود پر داخل ہوئے۔ عبداللہ بن مسعود نے ظہر کی اقامت کہی۔ تاکہ نماز پڑھیں۔ ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ آپ نے میرا ہاتھ اور میرے چچا کا ہاتھ پکڑ کر ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف کر دیا۔ پھر خود ہمارے درمیان کھڑے ہوئے۔ پس ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی۔ ایک ہی صف۔ پھر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے جبکہ (امام سمیت) تین ہوتے۔

اس حدیث میں فَصَفَفْنَا خَلْفَہٗ (ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی) سے استدلال کیا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود کا مذہب وہی ہے۔ جو دوسرے صحابہ کا ہے۔ کیونکہ اس میں صراحت ہے۔ کہ اسود بن یزید اور علقمہ نے عبداللہ بن مسعود کے پیچھے صف بنائی۔ حالانکہ یہاں پیچھے صف بنانے کا مطلب یہ نہیں۔ کہ پیچھے ہٹ کر صف بنائی۔ بلکہ پیچھے سے مراد یہ ہے کہ ان کی اقتدا میں صف بنائی۔ جیسے حدیث مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَةٌ (نصب الرایہ جلد ۲ ص۷) اور حدیث لَا صَلٰوةَ لِمَنْ یَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ (کتاب القرأة بیہقی ص۵۰) میں خَلْفَ الْاِمَامِ سے مراد اقتداء ہے۔ کیونکہ خَلْفَ الْاِمَامِ سے پیچھے ہٹ کر مراد ہو تو پھر ایک مقتدی کو شامل نہیں ہو سکتی۔ جو بالاتفاق امام کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور عورتوں کی

صف کو بھی شامل نہیں ہوگی۔ کیونکہ عورت امام ہو تو وہ بھی بالاتفاق وسط میں کھڑی ہوتی ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے علاوہ اور بہت سی احادیث اور آثار ہیں جن میں (خلف الامام اور وراء الامام) سے مراد اقتدار ہے۔ خواہ امام کے ساتھ کھڑا ہو یا پیچھے ہٹ کر ملاحظہ ہو فتح القدیر شرح ہدایہ اور نصب الرایہ وغیرہ۔

مجلس علماء دیوبند نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے۔ کہ خلف الامام سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا سمجھے ہیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں صراحت ہے۔ کہ خلف الامام سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا مراد نہیں۔ چنانچہ اسود بن یزید اور علقمہ پیچھے ہٹے۔ تو عبداللہ بن مسعود نے ان کو پکڑ کر ایک کو دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کر کے آپ درمیان میں کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے۔ جبکہ تین ہوتے نیز یہ فقرہ کہ ہم نے ایک صف بنائی بھی صاف بتا رہا ہے۔ کہ آگے پیچھے کھڑے نہیں ہوئے بلکہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ ہی ایک صف بنائی۔ اگر آگے پیچھے کھڑے ہوتے۔ تو پھر ایک صف بنائی کا مطلب کچھ نہیں بنتا

پھر ایک غلطی علماء دیوبند نے یہاں اور کی ہے۔ وہ یہ کہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ اسود بن یزید نابالغ تھے۔ اس لئے عبداللہ بن مسعود نے ایک کو دائیں طرف کھڑا کیا۔ اور دوسرے کو بائیں طرف۔ اگر دونوں بالغ ہوتے۔ تو پھر دونوں کو پیچھے ہٹا دیتے۔ حالانکہ عبداللہ بن مسعود نے نہ بالغی کی قید لگائی ہے نہ نابالغی کی۔ بلکہ مطلق فرمایا ہے۔ کہ جب تین ہوتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے ——— پھر یہ کہنا بھی بے دلیل ہے کہ اسود بن یزید نابالغ تھے۔

اس کے علاوہ اگر عبداللہ بن مسعود کا یہ مذہب ہو کہ ایک نابالغ ہونے کی صورت میں دونوں امام کے برابر کھڑے ہوں۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مسعود کی غلطی ہے۔ اور یہاں یہی بتانا مقصود ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود سے جیسے فلاں فلاں مسئلہ میں غلطی ہوئی۔ اگر ترک

رفع یدین میں ہو گئی۔ تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔

اصل میں یہ غلطی ابن قیم سے ہوئی ہے۔ وہ بدائع جلد ۳ صفحہ ۹۱ میں لکھتے ہیں۔ کہ دو مقتدیوں سے ایک نابالغ ہو تو پھر ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کرنا چاہیئے جیسے عبداللہ بن مسعود نے کہا (حالانکہ نابالغ کا پیچھے کھڑا کرنا حدیث میں آیا ہے مشکوٰۃ باب الموقف ص ۹۹)

معوذتین کا جواب علمائے دیوبند نے یہ دیا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود ان کے قرآن ہونے کے منکر نہ تھے۔ بلکہ قرآن مجید کے ساتھ ان کے لکھنے سے انکار کرتے تھے جیسے فاتحہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن کے بغیر قرآن مجید میں کوئی چیز نہیں لکھتے تھے۔ اور ان کو اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن کا پتہ نہیں لگا۔ حالانکہ یہ بات، بالکل غلط ہے۔ عبداللہ بن مسعود کا انکار صرف لکھنے سے نہیں بلکہ ان کے قرآن ہونے سے انکار ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں عبداللہ بن مسعود سے صریح روایت ہے:

كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقُوْلُ إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللهِ...... وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ وَفِي آخِرِهِ يَقُوْلُ إِنَّمَا أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَعَوَّذَ بِهِمَا۔ (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۳۰ کتاب التفسیر)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعود قرآن مجید کے نسخوں سے معوذتین کو کھرچ دیتے۔ اور فرماتے یہ کتاب اللہ سے نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے۔ یہ بھی فرماتے۔ کہ سوا اس کے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ پناہ پکڑنے کا حکم دیئے گئے ہیں۔

اس عبارت میں صراحت ہے۔ کہ یہ کتاب اللہ سے نہیں۔ اور امام نووی شرح مہذب میں اور ابن حزم ابتداً محلی میں لکھتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسعود سے جو نقل کیا گیا

ہے۔ کہ یہ قرآن نہیں، یہ باطل ہے۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود سے جب سند صحیح سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ یہ کتاب اللہ سے نہیں۔ تو پھر باطل کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اس کی یہ تاویل ہو سکتی ہے۔ کہ کتاب اللہ سے مصحف (قرآن مجید کا لکھا ہوا نسخہ) مراد ہو۔ یعنی معوذتین لکھے ہوئے میں شامل نہیں۔ اس لئے کھرچ دیتے۔ پھر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس بارہ میں عبداللہ بن مسعود سے متفنی روایتیں آئی ہیں۔ اگر وہ جمع کی جائیں۔ تو نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کہ یہ تاویل بعید ہے۔

حافظ ابن حجر نے تو اس تاویل کو صرف بعید ہی کہا ہے۔ مگر اصلیت یہ ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود کا کلام اس کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ عبداللہ بن مسعود کتاب اللہ سے نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ پناہ پکڑنے کا حکم دیئے گئے ہیں۔ جس سے مقصد عبداللہ بن مسعود کا یہ ہے۔ کہ یہ پناہ کی دعا ہے۔ قرآن نہیں۔ اور دعا کا حکم دینا اگرچہ قرآن ہونے کے منافی نہیں۔ مگر اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت کی ضرورت ہے۔ کہ یہ قرآن میں شامل ہے۔ کیونکہ بظاہر دعا کا حکم شبہ ڈالتا ہے۔ کہ یہ ویسے ہی دعا ہے۔ قرآن نہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود کو اس کی صراحت کا علم نہیں ہوا۔ بہر صورت عبداللہ بن مسعود نے جو وجہ بیان کی ہے۔ وہ قرآنیت کی نفی کی وجہ بن سکتی ہے۔ قرآن ماں کر صرف لکھنے سے انکار کی وجہ نہیں بن سکتی۔ بلکہ صرف لکھنے سے انکار کی وجہ تو وہی ہو سکتی ہے جو اوپر گذری ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن کے بغیر وہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی چیز نہیں لکھتے تھے۔ اور معوذتین کے لکھنے کا ان کو علم نہیں ہوا۔ اور یہی وجہ قاضی ابوبکر باقلانی اور قاضی عیاض وغیرہ نے نہ لکھنے کی بیان کی ہے۔ چنانچہ فتح الباری کے اس مقام میں اس کی تصریح ہے۔ پس حافظ ابن حجر کا اس کو صرف تاویل بعید کہہ کر سکوت کرنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ ابن مسعود کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ اور اس کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:۔

عَنْ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ عَلْقَمَۃَ قَالَ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَیْنِ مِنْ مَصَاحِفِہٖ وَیَقُوْلُ اِنَّھُمَا لَیْسَتَا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَلَمْ یَکُنْ عَبْدُ اللّٰہِ یَقْرَأُ بِھِمَا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۷۱)

ترجمہ: ابراہیم بن علقمہ کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسعود قرآن مجید کے اپنے نسخوں سے معوذتین کو کھرچتے اور فرماتے کہ یہ کتاب اللہ سے نہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود (اپنی تلاوت نماز وغیرہ میں) معوذتین کی قرأت نہیں کرتے تھے۔"

اس روایت کے آخری فقرہ سے پوری وضاحت ہو گئی۔ کہ ان کو قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ اور کتاب اللہ کی تاویل مصحف کے ساتھ بالکل غلط ہو گئی۔

تنبیہ تفسیر ابن کثیر کے اسی صفحہ پر عبداللہ بن مسعود کے رجوع کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر رجوع کی کوئی روایت ذکر نہیں کی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ صحابہ نے قرآن مجید کے جو نسخے لکھ کر گردونواح میں بھیجے ان میں معوذتین کو بھی لکھا۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ اول تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عبداللہ بن مسعود ان کے قائل ہو گئے کیونکہ وہ صراحتہً نفی کر رہے ہیں۔ دوسرے ان سے صراحتہً روایت ہے۔ کہ حضرت عثمان کی طرف سے جب قرآن کے نسخے گردونواح میں بھیجے گئے اور باقی نسخوں کے جلانے کا حکم دیا گیا۔ تو عبداللہ بن مسعود نے کہا۔ کہ اے لوگو! جو کوئی نسخہ خیانت کر سکے کر لے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ الآیۃ یعنی نبی کے لئے خیانت لائق نہیں۔ اور جو خیانت کرے۔ وہ خیانت کی ہوئی شئی لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ قرآن مجید بہت اچھی خیانت ہے۔ جس کو لے کر ایک تمہارا قیامت کے دن حاضر ہو۔ میں نے ستر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے۔ کیا میں وہ چھوڑ دوں؟ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۲۳۔

اور تفسیر اتقان جلد اول صفحہ ۶۵ میں ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے نسخہ میں ۱۱۲ سورتیں ہیں

ان میں معوذتین نہیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت عثمانؓ نے جو نسخے بھیجے۔ وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں معتبر نہیں ہوئے۔ اور تفسیر اتقان کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ فاتحہ انہوں نے درج کر لی۔ ہاں قراۃ عاصم میں معوذتین بھی ہیں۔ چنانچہ ابتدا محلی میں ابن حزم نے لکھا ہے اور عاصم زر بن حبیش کے شاگرد ہیں۔ اور زر بن حبیش عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی غلطی سمجھ کر ان کے شاگردوں نے معوذتین کو قرأت میں شامل کر لیا۔ ورنہ عبداللہ بن مسعود کے نسخہ میں معوذتین نہیں۔ اور نہ ان سے کوئی صاف روایت ہے۔ بلکہ صاف روایت انکار کی ہے۔

مجلس علماء دیوبند کا افسوسناک رویہ

ہم نے کئی دفعہ ذکر کیا ہے۔ کہ مجلس علماء دیوبند مذہب کی پاسداری میں دیانتداری کی پرواہ نہیں کرتی۔ محلی ابن حزم اور شرح مہذب امام نووی کے حوالہ سے ابھی ذکر ہوا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے۔ وہ باطل ہے۔ اور ساتھ ہی حافظ ابن حجرؒ سے اس کی تردید بھی ذکر کی گئی ہے۔ مجلس علماء دیوبند نے علامہ ابن حزم اور امام نوویؒ کا کلام تو ذکر کیا۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے جو تردید کی ہے۔ اس کو ترک کر دیا ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس مجلس نے تفسیر اتقان جلد اول صفحہ ۷۹ کا حوالہ دیا ہے۔ اور اسی صفحہ پر تردید بھی موجود ہے۔ یہ کس قدر افسوسناک رویہ ہے۔ پھر ایک ذمہ دار جماعت ایسا کرے انا للہ ...... الخ

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی   چو عالم سست ماند از کہ آید غیرت ایمانی

تعجب

ابوبکر فقیہ نے عبداللہ بن مسعود کی بابت صرف اتنا کہا کہ کئی مسائل میں عبداللہ بن مسعود سے غلطی ہوئی ہے۔ تو مسئلہ رفع یدین میں غلطی کوئی انوکھی بات نہیں۔ اس پر دیوبندی حضرات بہت مشتعل ہوئے۔ اور ابوبکر فقیہ کو کوسنا شروع کر دیا۔

حالانکہ دوسرے موقعہ پر خود حنفیہ نے اس بات کو کوئی انوکھی بات نہیں سمجھا۔ بالمسلم کتاب ہے تفصیل اس کی یوں ہے کہ نماز میں بسم اللہ آہستہ یا جہر سے پڑھنے کے متعلق حضرت انس رض سے چار روایتیں ہیں:۔

(۱) قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْتَتِحُوْنَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان یہ سب قرأت الحمد للہ رب العٰلمین سے شروع کرتے۔"

(۲) قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

ترجمہ:۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھی کسی کو میں نے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے نہیں سنا۔

(۳) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ مَدًّا ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ۔

ترجمہ:۔ قتادہ کہتے ہیں۔ کہ انس سے سوال کیا گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کس طرح تھی۔ کہا کھینچ کر پڑھتے تھے۔ پھر کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لفظ بسم اللہ بھی کھینچ کر پڑھتے۔ اور لفظ رحمٰن بھی کھینچ کر اور لفظ رحیم بھی کھینچ کر۔

(۴) حَدَّثَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَوْ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَقَالَ اِنَّكَ لَتَسْاَلُنِيْ عَنْ شَيْءٍ

مَا اَحْفَظُهٗ وَمَا سَأَلَنِیْ عَنْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ قُلْتُ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِی النَّعْلَیْنِ قَالَ نَعَمْ

ترجمہ :۔ ابو سلمہ کہتے ہیں۔ میں نے انس سے پوچھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ رب العالمین سے (قرأت) شروع کرتے۔ یا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔ کہا۔ تو ایسی شے سے مجھے سوال کرتا ہے۔ کہ مجھے یاد نہیں۔ اور نہ تجھ سے پہلے اس کے متعلق کسی نے مجھ سے سوال کیا ہے۔ میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں میں نماز پڑھتے تھے۔ کہا ہاں۔

یہ چار روایتیں بسم اللہ کی بابت انسؓ سے آئی ہیں۔ اور یہ چاروں نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۶۲، ۳۶۳ میں مذکور ہیں۔ پہلی بہت صحیح ہے۔ اور بخاری مسلم میں ہے۔ اور دوسری بھی صحیح ہے مگر اس میں کچھ اضطراب ہے۔ اس لئے بخاری اس کو نہیں لائے۔ صرف مسلم لائے ہیں۔ اور تیسری حدیث بالکل صحیح ہے۔ یہ صرف بخاری میں ہے اور چوتھی بھی بالکل صحیح ہے۔ اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے

امام شافعی چونکہ جہر کے قائل ہیں۔ اس لئے انہوں نے دوسری حدیث بوجہ اضطراب ترک کر دی ہے۔ اور پہلی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین سورہ فاتحہ کا نام ہے (چنانچہ صفحہ ۸۹ میں گذر چکا ہے) تو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ سورۃ سے پہلے فاتحہ سے قرأت شروع کرتے۔ اور فاتحہ میں بسم اللہ بھی داخل ہے۔ تو گویا پہلے بسم اللہ پڑھتے۔ اور بعض نے پہلی حدیث کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ انس لڑکے تھے اور ہو سکتا ہے کہ پچھلی صفوں میں کھڑے ہونے کی وجہ سے بسم اللہ نہ سنی ہو۔ (کیونکہ عموماً امام جب قرأت شروع کرتا ہے۔ تو آواز اتنی بلند نہیں ہوتی۔)

اس کا جواب علامہ زیلعی نے صاحب تنقیح سے ذہبی نقل کیا ہے۔ جو علماء دیوبند نے ابوبکر قید کو عبد اللہ بن مسعود کی حدیث مذکور کے متعلق دیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کی تو انس دس سال کے تھے۔ اور جب آپ فوت ہوئے۔ تو اس وقت بیس سال کے تھے۔ تو یہ بہت بعید بلکہ محال ہے۔ کہ اتنے سال انہوں نے بسم اللہ سنی ہی نہ ہو۔ پھر یہ حدیث انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں روایت کی ہے۔ اور ابوبکر اور عمر کے زمانہ میں وہ جوان ہو گئے اور عثمان کے زمانہ میں ادھیڑ عمر کو پہنچ گئے۔ اور ان سب کے زمانوں میں پیش پیش رہتے تھے خاص کر جب خود وہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ دوست رکھتے تھے۔ کہ مہاجرین اور انصار آپ کے نزدیک ہوں۔ تاکہ آپ سے سیکھیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ پیچھے ہی رہیں۔ اور بسم اللہ نہ سنیں۔

اس کے بعد علامہ زیلعیؒ نے چوتھی حدیث کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صحت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دوم یہ ہو سکتا ہے کہ انس بڑھاپے کی وجہ سے بھول گئے ہوں چنانچہ ایک دن کسی مسئلہ سے سوال کیے گئے۔ تو فرمایا حسن سے پوچھو۔ کیونکہ اس نے یاد رکھا اور ہم بھول گئے۔ اور اخیر میں بطور فیصلہ لکھا ہے۔ وَكَمْ مِّمَّنْ حَدَّثَ وَنَسِيَ۔ (نصب الرایہ جلد اول ۳۶۳) یعنی یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ کئی محدث حدیث سن کر بھول گئے۔

قارئین کرام! جب انسؓ ایسے خادم خاص دس سالہ چیز جو روزانہ کئی مرتبہ پیش آتی ہے بھول سکتے ہیں۔ تو عبداللہ بن مسعود کا رفع یدین کو بھولنا کونسی بڑی بات ہے۔ حالانکہ قرأت پچھلی صف میں بھی سنائی دیتی ہے۔ برخلاف رفع یدین کے۔ اس کا پچھلی صف میں نظر آنا مشکل ہے۔ نیز قرأت ویسی سنائی دیتی ہے۔ جو خشوع کے منافی نہیں۔ اور رفع یدین میں تو سجدہ کی جگہ سے نظر ہٹا کر دیکھنا پڑتا ہے۔ جو عبداللہ بن مسعود ایسے شخص سے عام طور پر ہونا مشکل ہے۔

پھر عبداللہ بن مسعودؓ کے بھولنے کی ایک اور صورت بھی ہے جو عام طور پر وقوع میں آتی رہتی ہے۔ وہ یہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث مذکور میں جس نماز کا ذکر ہے جس کے

متعلق عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ اس نماز میں رفع یدین کرنا بھول گئے۔ اور یہ بالکل معمولی بات ہے۔ انسان کئی دفعہ ارکان اور رکعتیں بھول جاتا ہے۔ تو اگر رفع یدین بھول گئے ہوں۔ تو اس میں کونسی حیرانی ہے لیکن حنفیہ مذہب کی پاسداری میں اس کو بھی نہیں مانتے۔ خیر الحمد للہ! حضرت انسؓ کے واقعہ نے تو ان کے ہر ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ اور خود ہی حضرت انسؓ کے واقعہ کو پیش کرتے ہیں۔ اگر اب بھی نہ مانیں۔ تو پھر تقلید کے دائرہ میں اس کا کوئی علاج نہیں خدا ہدایت کرے اور سمجھ دے۔ آمین۔

تمت بالخیر

عبداللہ امرتسری روپڑی

محمد اسماعیل گلزار القلم کوٹلی نگاہ گوجرانوالہ

فہرست مضامین کتاب آمین و رفع یدین

تاریخ طباعت ۲۴ اپریل ۱۹۶۲ء مطابق ۱۹ ذیقعد ۱۳۸۱ھ
قیمت ۲/- روپے